كتاب الاكراه

اکراہ کے معنی ہیں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور کیا جائے اسی کو جبر بھی کہتے ہیں ۔
اکراہ کی دو قسمیں ہیں : ایک تام اور اس کو ملجی بھی کہتے ہیں ، دوسری ناقص اور اس کو غیر ملجی بھی کہتے ہیں ۔
اکراہ تام : یہ ہے کہ مار ڈالنے یا کسی عضو کے کاٹ ڈالنے یا ضرب شدید کی دہمکی دی جائے ۔ ضرب شدید کا مطلب یہ ہے کہ : اس سے جان جانے کا یا کسی عضو کے بے کار یا تلف ہونے کا اندیشہ ہے مثلاً ظالم یہ کہتا ہے کہ یہ کام کر ورنہ تجھے مارتے مارتے بےکار کردوں گا ۔
اکراہ ناقص : یہ ہے کہ جس میں اس سے کم کی دھمکی ہو مثلاً جوتے ماروں گا ، کوڑے ماروں گا ، مکان میں بند کردوں گا یا ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دوں گا ۔
اکراہ کے شرائط یہ ہیں : (١) مکرِہ جس فعل کی دھمکی دیتا ہو اس پر قادر ہو (٢) مکرَہ کو (یعنی جسے دھمکی دی گئی ہے) اس کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو یہ جس کی دھمکی دے رہا اسے کر گزرے گا ۔ (٣) جس چیز کی دھمکی ہے وہ جان لینا ہے یا عضو کاٹنا ہے یا ایسا غم پیدا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ کام خوشی اور رضامندی سے نہ ہو ۔ (٤) مکرَہ پہلے سے وہ کام نہ کرنا چاہتا تھا خواہ اپنے حق کی وجہ سے یا کسی دوسرے شخص کے حق کی وجہ سے یا حق شرع کی وجہ سے ۔ (نزھہ)

تفہیم البخاری میں ہے : اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کو کفر پر مجبور کیا جائے تو وہ اپنی جان باقی رکھنے کے لئے زبانی کلمہ کفر کہہ سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے مؤمن اپنے دین و ایمان پر ثابت رہے اگرچہ اس کو قتل کردیا جائے ۔ (تفہیم البخاری)

قال الحسن : التقية إلى يوم القيامة ....

تقیہ کے معنی یہ ہیں کہ : اپنے دل کی بات کسی کے سامنے ظاہر کرنے سے بچنا ۔ تقیہ کے اصل معنی بچنا ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ : تقیہ صرف زبان سے ہے اور قلب ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔(نزھہ ملتقطا)

مکرَہ کی طلاق کا حکم

نزھۃ القاری میں ہے : جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مکرَہ کی طلاق واقع نہیں لیکن امام زہری یا قتادہ یا ابو قلابہ کا قول ہے کہ واقع ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے البتہ اس مین تفصیل ہے کہ اگر زبان سے طلاق دے تو واقع ہوگی اور حالتِ اکرام میں تحریری طلاق دے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو طلاق واقع نہیں ۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے : (وطلاق المكره واقع) و هو قول عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه و على بن أبى طالب و عبدالله بن عمر رضى الله عنهم و به قال الشعبى و ابن جبير و النخعى و الزهرى و سعيد بن المسيب و شريح القاضى و أبو قلابة عبدالله بن زيد الحرمى التابعى الكبير ، و قتادة و الثورى ، (خلافا للشافعى) فإنه يقول لا يقع طلاق المكره و به قال مالك و أحمد و يروى عن ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبير رضى الله تعالى عنهم و من التابعين الحسن و عطاء و الضحاك ۔

(هو) أى الشافعى (يقول : إن الإكراه لا يجامع الإختيار و به) أى بالاختيار (يعتبر التصرف الشرعى) --------------- و استدل الشافعى أيضا بقوله عليه السلام : رفع عن أمتى الخطأ و النسيان و ما استكرهو عليه ۔

(و لنا أنه) أى أن المكره (قصد إيقاع الطلاق فى منكوحته فى حال أهليته) أى فى حال عقله و تمييزه و كونه مخاطبا و بالإكراه لا يخرج عن ذالك (فلا يعرى عن قضيته) أى عن حكمه ، لئلا يلزم تخلف الحكم عن علته ۔

و الجواب عن الحديث الذى إستدل به الشافعى أنه لا حجة له ، لأن التجاوز و العفو عن الطلاق و العتاق لا يصح لأنه غير مذنب فلم يدخل تحت الحديث ۔

باب إذا أكره حتى وهب عبدا أو باعه لم يجز و به قال بعض الناس فإن نذر المشترى فيه نذرا فهو جائز بزعمه و كذالك إن دبره ۔

یعنی جب کسی کو اس کا غلام ہبہ کرنے یا بیچنے پر مجبور کیا جائے تو ایسی بیع جائز نہیں ، اور یہی بعض لوگوں کا کہنا ۔ پھر اگر مشتری نے بالاکراہ خریدے ہوئےغلام میں نذر مان لی (مثلاً : یوں کہا کہ یہ غلام آزاد ہے) تو اب بیع جائز ہوجائے گی اسی طرح اگر اس کو مدبر بنالیا تو بھی بیع جائز ہوجائے گی ۔

امام بخاری احناف پر تعریض کر رہے ہیں کہ بالاکراہ بیع جائز نہیں اور یہی احناف کا مذہب بھی ہے حالانکہ احناف بعض جگہ بالاکراہ بیع کو جائز بھی کہتے ہیں جیسے کہ اگر مشتری بالاکراہ خریدے ہوئے غلام میں نذر مان لی یا اس کو مدبر بنادیا تو اب بیع جائز ہوجائے گی ۔

نزھۃ القاری میں ہے : عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاری جب بعض الناس کہتے ہیں تو ان کی مراد اس سے احناف ہوتے ہیں اگر یہاں بھی ان کی مراد احناف ہی ہیں تو حسب تحقیق علامہ عینی ان سے فروگزاشت ہوئی ہے ۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے بیچنے یا ہبہ کرنے یا کسی اقرار پر مجبور کیا گیا اور اس نے اپنا مال بیچ دیا یا کسی کو ہبی کردیا یا مال کا اقرار کرلیا تو اکراہ دور ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو ان عقود کو نافذ کردے اور اگر چاہے تو فسخ کردے اس لیے کہ یہ عقد اس کے اہل سے اس کے محل میں صادر ہوا اس لیے مفیدِ ملک ہے ہاں اس مین تراضی نہیں پائی گئی تو اس کا حکم وہ گیا جو ایسے تمام عقود کا ہے جن میں شرط فاسد پائی جائے کہ اگر مشتری قبضہ کرکے اس میں کوئی تصرف کردے جو قابلِ نقض نہ ہو جیسے ازاد کرنا اور مدبر کرنا وہ نافذ ہوجائے گا اور مشتری پر قیمت لازم ہوگی اور اگر بائع جائز کردے تو صحیح ہے کیونکہ اب تراضی پائی گئی ۔ (نزھہ)

و قال بعض الناس : لو قيل له لتشربن الخمر أو لتأكلن الميتة أو لنقتلن ابنك أو أباك أو ذا رحم محرم ، لم يسعه ، لأن هذا ليس بمضطر ، ثم ناقض فقال : إن قيل له : لنقتلن أباك أو إبنك أو لتبيعن هذا العبد أو تقر بدين أو تهب ، يلزمه فى القياس و لكنا نستحسن و نقول : البيع و الهبة و كل عقد فى ذالك باطل

یعنی بعض لوگوں نے یوں کہا کہ : اگر کسی کو کہا گیا کہ شراب پی یا مردار کھا ورنہ ہم تیرے بیٹے یا باپ یا کسی ذو رحم محرم کو قتل کردیں گے تو اس شخص کو مردار کھانا یا شراب پینا جائز نہیں کیونکہ یہ شخص اس صورت میں مضطر نہیں ۔ (مضطر تو تب ہوتا کہ جب خود اسے اس کی جان کی دھمکی دی جاتی کہ پی ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا) ، پھر لوگوں نے اپنی بات کے خلاف کہا وہ اس طرح کہ یہی بعض لوگ کہتے ہیں کہ : اگر کسی شخص کو کہا گیا کہ ہم تیرے باپ یا تیرے بیٹے کو قتل کردیں اگر تونے یہ غلام نہ بیچا یا پھر دین یا ہبہ کا اقرار نہ کیا ، تو اس صورت میں قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ غلام بیچ دے یا اقرار کرلے لیکن ہم

استحسان لر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ : اس صورت میں بیع اور ہبہ اور ہر عقدِ اکراہ باطل ہوگا ۔

نزھة القاری میں ہے : کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں بھی بعض الناس سے مراد حنفیہ مراد ہیں ، یہ تعریض ہے ۔ امام بخاری کہنا یہ ہے کہ : بعض الناس کے قول میں تناقض ہے ۔ وہ اس طرح کہ اگر کسی ظالم نے کسی مجبور سے کہا کہ : شراب پیو یا یہ کہا کہ مردار کھاؤ ورنہ ہم تمہارے باپ یا بیٹے یا کسی ذو محرم کو قتل کردیں گے تو اسے اس حال میں شراب پینا یا مردار کھانا جائز نہیں ، اس لیے کہ یہ مضطر نہیں اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے ۔ مضطر اس وقت ہوتا جب وہ خود اس کے قتل کی دھمکی دیتا ، دوسروں کے قتل کی دھمکی دی تو اضطرار کہاں سے پایا گیا ؟

امام بخاری کہتے ہیں : پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی ظالم نے دھمکی دی کہ ہم تمہارے باپ یا بیٹے کو قتل کردیں گے اگر تم اس غلام کو نہیں بیچوگے اور دَین کا اقرار نہیں کروگے یا ہبہ نہیں کروگے تو قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اس حال میں جو عقد کرے وہ لازم ہوجائے لیکن ہم استحساناً یہ کہتے ہیں کہ : اس حال میں ہر عقد باطل ہے ۔ یہ صریح تناقض ہے کہ پہلی صورت میں کہا کہ اکراہ نہیں اور دوسری صورت میں کہا کہ قیاس اس کا مقتضی ہے کہ اکراہ پایا جایا رہا ہے حالانکہ دونوں صورتیں یکساں ہیں۔

اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ : یہاں مناقضہ نہیں ہے اس لیے کہ مجتہد کو جائز ہے کہ استحسان کی بناء پر قیاس کو ترک کرے اور استحسان حنفیہ کے نزدیک حجت ہے ۔ (نزھہ)

و قال النخعي : إذا كان المستحلف ظالما فنية الحالف و إن كان مظلوما فنية المستحلف

یعنی امام نخعی نے فرمایا : اگر قسم کھلانے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے اور اگر مظلوم ہو تو قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہے ۔

نزھة القاری میں ہے : مستحلف کے مظلوم ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا کوئی حق کسی پر ہے اور صاحبِ حق کے پاس پیسہ نہیں تو وہ مدعی علیہ سے قسم لے گا ، یہاں مدعِی مظلوم ہے تو قسم مدعِی کی نیت کا اعتبار ہوگا ۔ حضرت امام مالک اور جمہور کا مذہب یہی ہے اور ہمارے نزدیک ہمیشہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے ۔ (نزھہ)

فرقوا بين كل ذي رحم محرم و غيره بغير كتاب و سنة

اس عبارت سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ذی رحم محرم کے معاملے اور اجنبی شخص کے معاملے میں حکم مختلف ہے ، وہ اس طرح کہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ اس اجنبی شخص کو قتل کردے یا پھر فلاں شئ فروخت کردے تو اس شخص نے اجنبی کو قتل سے بچانے کیلئے وہ شئ فروخت کردی تو بیع لازم ہوجائیگی لیکن اگر کسی ذو رحم محرم کے متعلق اسے مجبور کیا گیا کہ فلاں شئ فروخت کردے ورنہ تیرے فلاں رشتیدار کو قتل کرڈالیں گے تو اس صورت میں اگر اس شخص نے وہ چیز فروخت کردی تو اس کی بیع اور عقد وغیرہ لازم نہ ہوگا ۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ تفریق اجنبی و ذو رحم محرم کے مابین نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور نہ حدیثِ رسول سے ۔

نزھۃ القاری میں ہے : اس کا جواب علامہ بدر الدین محمود عینی نے یہ دیا کہ یہ کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے اور سنت سے بھی ثابت ہے ۔ اللہ عزوجل نے فرمایا : أَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ (زمر ، آیت ۱۸) وہ لوگ جو بات سن کر سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں ۔ اور حدیث یہ ہے : ما رآہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن ۔ جس کس مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ۔ (نزھہ)

تفھیم البخاری میں ہے : کرمانی نے ذکر کیا کہ امام بخاری نے ان مباحث میں جو مثالیں ذکر کی ہیں اس کتاب کی وضع کے مناسب نہیں کیونکہ یہ فنِ حدیث سے خارج ہیں ۔ (تفھیم)

کتاب الحیل

حیل ، حیلہ کی جمع ہے ، حیلہ اس خفیہ طریقہ کار کو کہتے ہیں جس سے مقصود کو حاصل کیا جائے ۔ حیلہ جس بنیاد پر کیا جاتا ہے اس اعتبار سے اس کی کئی قسمیں ہیں (۱) کسی مباح طریقہ کو کسی حق کے باطل کرنے یا باطل کے اثبات کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ حرام ہے (۲) کسی حق کے ثابت کرنے یا باطل کے دفع کرنے کا ذریعہ ہو ۔ یہ کبھی واجب ہوتا ہے ، کبھی مستحب (۳) اگر کسی ناپسندیدہ چیز میں واقع ہونے سے بچنے کے لیے کیا جائے تو یہ کبھی مستحب ہوتا ہے اور کبھی مباح (٤) اگر کسی مستحب کے ترک کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ مکروہ ہے ۔ (نزھۃ القاری)

حیلہ اگر حرام و گناہ سے بچنے کے لیے ہوتو اچھا ہے اور اگر کسی مسلمان کا حق باطل کرنے کے لیے ہوتو اچھا نہیں بلکہ گناہ و ظلم ہے ۔ اور امام نسفی نے کافی میں فرمایا کہ حضرت امام محمد بن حسن نے فرمایا : مومن کے اخلاق میں سے نہیں کہ حیلوں کے ذریعہ اللہ کے احکام سے فرار کرے ، اس طرح کہ اس سے حق کا ابطال لازم آئے ۔(نزھہ)

باب فی ترك الحيل : کتاب الحیل کہنے سے کچھ نہیں سمجھ آ رہا تھا کہ حضرت امام بخاری کا مذہب کیا ہے کہ وہ حیلہ کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز ؟ اس لیے انہوں نے ترک الحیل کا باب باندھا کہ واضح ہوجائے کہ حضرت امام بخاری حیلہ کے جواز کے قائل نہیں ۔

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : قال لا یقبل اللہ صلوۃ أحدکم إذا أحدث یتوضأ

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک نماز سے باھر ہونے کے لیے لفظ السلام فرض نہیں ، واجب ہے ۔ اس لیے کہ فرض کے ثبوت کے لیے خبر واحد کافی نہیں ، ہاں! واجب کے ثبوت کے لیے کافی ہے ۔ فرض کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی الثبوت ، قطعی الدلالۃ ضروری ہے اور لفظ سلام کے بارے میں ایسی کوئی نص نہیں ۔ نماز سے باہر ہونے کے لیے خروج بصنعہ فرض ہے یعنی بالقصد ایسا کام کرنا جو نماز کے منافی ہو مثلاً کام کرنا ، کھانا کھانا یا پینا وغیرہ ۔ اس پر بعض مخالفین نے ازراہِ تمسخر احناف پر طنز کیا کہ اگر کوئی شخص نماز کے ارکان پورا کرنے کے بعد بالقصد ہوا خارج کرے ۔ یہ خروج بصنعہ ہوا یا نہیں ؟ اب مخالفین نے اس کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا ۔ اللہ عزوجل رحم فرمائے ، امام بخاری رحمہ اللہ بھی انہیں لوگوں میں ہیں ۔ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ احناف کا یہ قول حدیث صحیح کے معارض ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر کوئی حدث کرے تو جب

تک وضو نہیں کرے گا اس کی نماز قبول نہیں ۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ: یہ حکم اثنائے نماز کا ہے یا ابتدائے نماز کا یعنی اگر کوئی بے وضو نماز شروع کردے ، نماز نہ ہوگی ، یا اثنائے نماز میں حدث ہوجائے تو نماز نہ ہوگی لیکن نماز پوری ہونے کے بعد حدث سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔

مشہور حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ جلدی جلدی نماز پڑھ رہے ہیں ، تعدیل ارکان نہیں کر رہے ہیں تو انہیں نماز کی تعلیم دی ۔ آخر میں فرمایا : ثم اجلس حتی تطمئن جالسا ، پھر بیٹھ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائے ، اور فرمایا : إذا فعلت هذا فقد تمت صلوتك ، جب تونے یہ کرلیا تو تیری نماز پوری ہوگئی ۔ یہ حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا رفاعہ بن رافع سے مروی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قعدہ اخیرہ کرلینے کے بعد فرمایا : جب تونے یہ کرلیا تو تونے اپنی نماز پوری کرلی ۔ اس سے ثابت ہوا کہ قعدہ اخیرہ سے نماز پوری ہوگئی ، لیکن نماز سے باہر آنے کے لیے بالقصد کوئی فعل منافی نماز کرنا ضروری ہے اس لیے خروج بصنعہ فرض ہے ۔ رہ گیا لفظ السلام تو یہ فرض نہیں واجب ہے ۔ جو شخص اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے نماز سے باہر ہوگا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی ۔ (نزھۃ القاری)

لايجمع بين متفرق و لايفرق بين مجتمع خشية الصدقة

اس کی توضیح یہ ہے کہ : دو آدمی ہیں جن میں ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں تو ان پر ہر چالیس بکری میں ایک بکری واجب ہے تو ان کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا ۔ اکٹھا کرنے کی صورت میں کل اسی بکریاں ہوں گی جن میں صرف ایک بکری واجب ہے ، اس طرح اگر دو شریکوں کے درمیان چالیس ہوں تو ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا کہ ہر ایک کے حصہ بیس بکریاں مان لی جائیں تاکہ زکوۃ واجب نہ ہو ۔ (نزھۃ القاری)

قال بعض الناس : فی عشرين و مائة بعير حقتان فإن أهلكها متعمدا أو وهبها أو إحتال فيها فرارا من الزكوة فلا شئ عليه

یعنی بعض لوگوں نے کہا کہ : ایک سو بیس اونٹ میں دو حقے ہیں ، تو اگر کسی نے ان اونٹوں کا قصداً ہلاک کردیا یا کسی کو وہ اونٹ ہبہ کردیے یا زکوۃ سے بچنے کے لیے کوئی بھی حیلہ اختیار کیا تو اس پر کچھ نہیں (یعنی اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی) ۔

حقہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا تیسرا سال پورا ہوگیا ہو ۔

یہاں حضرت امام بخاری نے شدتِ غضب میں أهلكها فرمایا ۔ کیا دنیا میں کوئی بھی عقل والا ایسا مل سکتا ہے جو دو اونٹنیاں فقراء کو دینے سے بچنے کے لیے ایک سو بیس اونٹوں کو ہلاک کردے گا ۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اگر سال تمام ہونے سے پہلے یہ سب اونٹ کسی کو ہبہ کردے اور اسے قبضہ دلادے تو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوئی ، اس لیے کہ زکوۃ واجب ہونے کے لیے پورا ایک سال گزرنا شرط ہے ۔ یہ اسقاط زکوۃ نہیں اور نہ زکوۃ سے فرار ہے ۔ جب اس پر زکوۃ فرض ہی نہیں ہوئی تو اس سے فرار یا اسقاط کا کوئی سوال ہی نہیں ، اگر واقعی کوئی شخص زکوۃ کے وجوب سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرے تو وہ قابل مذمت ہے ، چنانچہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے ۔ (نزھہ)

<u>قال بعض الناس فی رجل له إبل فخاف أن تجب علیه الصدقة فباعها بإبل مثلها أو بغنم أو ببقر أو بدراهم فرارا من الصدقة بیوم احتیالا فلا بأس علیه ، و هو یقول : إن زکی إبله قبل أن یحول الحول بیوم أو بسنة جازت عنه</u>

یعنی بعض الناس نے اس شخص کے متعلق کہا کہ جس کے پاس اونٹ ہوں اور اس کو ان اونٹوں کی زکوۃ کے واجب ہونے کا خوف ہو اور وہ اس خوف کے باعث سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے ان اونٹوں کو دوسرے اونٹوں سے یا بکری کے عوض یا گائے کے عوض یا پھر دراہم کے عوض بیچ دے زکوۃ سے بچنے کے لیے تو اس پر کچھ نہیں ، حالانکہ بعض الناس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کسی نے اپنے اونٹوں کی زکوۃ سال پورا ہونے سے ایک دن قبل نکال لی یا ایک سال قبل نکال لی تو یہ جائز ہے ۔

نزھة القاری میں ہے : یہ بھی ہم احناف پر تعریض ہے ۔ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احناف کے مسائل میں تناقض ہے ۔ وہ اس طرح کہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ : اگر کسی کے پاس بقدر نصاب اونٹ ہوں اور سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے ان اونٹوں کو بیچ دے تو اس پر زکوۃ نہیں ۔ پھر احناف کہتے ہیں کہ : اگر کسی نے سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے یا سال بھر پہلے زکوۃ ادا کردی تو ادا ہوگئی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے ان کے یہاں زکوۃ واجب ہوجاتی ہے ، اگر واجب نہ ہوتی تو زکوۃ دینا نہ ہوتا بلکہ صدقہ نافلہ ہوتا ۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ جس طرح صدقہ فطر عید سے پہلے دے دینا جائز ہے جیساکہ اسی بخاری صفحہ ٤٠٥ میں ہے : کانوا یعطون قبل الفطر بیوم أو بیومین ، کہ اہلِ مدینہ عید سے ایک دو دن پہلے صدقہ فطر دیا کرتے تھے ، حالانکہ صدقہ فطر واجب ہوتا ہے عید کے دن ۔ اسی طرح زکوۃ بھی اگرچہ واجب ہوگی سال پورا ہونے پر مگر پہلے ادا کردینا صحیح ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی سے قرض لیا تھا اور اسے میعاد سے پہلے ہی ادا کردیا ۔

<u>و قال بعض الناس إذا بلغت الإبل عشرین ففیها أربع شیاه فإن وهبها قبل الحول أو باعها فرارا و إحتیالا لإسقاط الزکوة فلا شئ علیه و کذالك إن أتلفها فمات فلا شئ فی ماله</u>

یعنی بعض الناس نے کہا کہ جب اونٹ بیس ہوں تو ان میں چار بکریاں حولانِ حول میں بطورِ زکوۃ واجب ہیں تو اگر کسی نے سال پورا ہونے سے قبل ہی اونٹ کسی کو ہبہ کردیے یا بیچ دیے زکوۃ سے بچنے کے لئے یا زکوۃ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کے طور پر تو اس پر کچھ نہیں ۔ اور ایسے ہی اگر ان اونٹوں کو تلف کردیا پھر مرگیا تو اس کے مال میں اس پر کچھ نہیں ۔

نزھة القاری میں ہے : امام بخاری کے اس قول کے پہلے حصہ کا جواب ابھی گذرا ، رہ گیا دوسرا حصہ تو ظاہر ہے کہ محل زکوۃ وہ اونٹ تھے ، جب وہ باقی نہ رہے تو زکوۃ کس پر واجب ہوگی ؟

امام بخاری یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس پر زکوۃ واجب ہونی چاہیئے جیسے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے منت مانی تھی کہ اچانک ان کا انتقال ہوگیا ، منت پوری نہ کرسکیں ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو حضور نے فرمایا : اپنی ماں کی طرف سے یہ منت پوری کردو تو جب منت موت سے ساقط نہ ہوئی تو زکوۃ جو منت سے بہ درجہا اہم ہے بہ درجہ اولی ساقط نہ ہوگی ۔

اقول و هو المستعان : دونوں میں فرق واضح ہے ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے جب منت مان لی تھی تو وہ ان پر واجب ہوگئی بہ خلاف یہاں کے کہ جب نصاب پر سال پورا ہی نہیں ہوا تو اس پر زکوۃ فرض ہی نہ ہوئی ، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ، علاوہ ازیں نذر حق العبد ہے اور زکوۃ حق اللہ ، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے - (نزهة القاری)

قال بعض الناس : إن إحتال حتی تزوج علی الشغار فهو جائز و الشرط باطل و قال فی المتعة النكاح فاسد و الشرط باطل ، و قال بعضهم المتعة و الشغار جائز و الشرط باطل

یعنی بعض الناس نے کہا : اگر حیلہ کیا یہاں تک کہ شغار پر نکاح کرلیا تو جائز ہے اور شرط باطل ہے ، ان کے بعضوں نے کہا : متعہ اور شغار جائز ہے اور شرط باطل ہے -

نزهة القاری میں ہے : یہ بھی احناف پر تعریض ہے ہمارے نزدیک نکاح شغار منعقد ہے اور مہر مثل واجب - نکاح شغار یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی شخص کی لڑکی سے نکاح کیا اس شرط پر کہ اپنی لڑکی کا نکاح پہلے شخص سے کردے اور مہر کچھ نہ ہو - اس نکاح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے منع فرمایا ، جیساکہ امام بخاری نے یہیں حدیث ذکر کی ہے - ہمارے نزدیک شغار کا حکم یہ ہے کہ دونوں نکاح صحیح اور ہر ایک پر مہر مثل واجب ہوگا اور یہ شرط کہ مہر کچھ نہ ہوگا باطل ہے - البتہ ایسا نکاح کرنے والے گناہگار ہوں گے - نکاح شغار کے صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں جب کہ عقد اپنے اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا ہے تو اسے کالعدم قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں - ہاں ! البتہ یہ شرط کہ مہر کچھ نہ ہوگا باطل ہے - متعہ کے سلسلے میں ہمارا اصل مذہب یہی ہے کہ ناجائز و حرام ہے اور متعہ کے نام سے جو نکاح ہوا ہے وہ فاسد ہے - رہ گیا یہ کہ امام بخاری نے فرمایا کہ ان کے بعض نے فرمایا : متعہ جائز ہے اور شرط باطل ہے ، یہ کون ہیں معلوم نہیں ہوسکا - بعض شارحین کا خیال ہے کہ امام زفر رحمة اللہ علیہ پر تعریض ہے ، لیکن یہ تعریض اس وقت درست ہوتی جب امام زفر رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہوتا کہ متعہ جائز ہے اور شرط باطل ہے - متعہ کا حرام ہونا احناف کے نزدیک متفق علیہ ہے -

حضرت امام بخاری نے اس کے بعد متعہ کی حرمت والی حدیث ذکر کرکے پھر وہی بات لوٹائی ہے جو ابھی مذکور ہوئی - اس تکرار سے امام بخاری کا کیا مقصد ہے اس کے سمجھنے سے یہ خادم ہی نہیں سارے شارحین عاجز ہیں ، سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ احناف کے صحیح مذہب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے شدت غیظ و غضب میں ایک ہی بات کو بار بار ذکر فرما رہے ہیں - زکوۃ کے مسئلہ میں بھی یہی کیا اور اب بھی یہی کر رہے ہیں - (نزهة القاری)

عن أبی هريرة : أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال : لا يمنع فضل الماء ليمنع به فضل الكلإ

نزهة القاری میں ہے : اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قبیلے والا اتنے پانی پر قادر ہے جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو تو دوسرے قبیلہ والوں کے جانوروں کو پانی کے استعمال سے نہ روکے ، قصہ یہ ہے کہ پانی کے تالاب یا کنویں پر جو قابض ہے وہ اس کی ملک ہے وہ چاہے تو دوسرے کو پانی استعمال کرنے نہ دے ، اور چراگاہ کسی کی ملک نہیں ، کسی قبیلہ کے پاس اگر پانی فاضل (زائد) ہے تو دوسرے قبیلہ والوں کے پانی استعمال کرنے میں ان کا کوئی حرج نہیں ،

لیکن ہوگا یہ کہ جانور جب پانی پینے آئیں گے تو لامحالہ چراگاہ میں چریں گے اور چونکہ چراگاہ کسی کی ملک نہیں اس لیے کوئی کسی کو چراگاہ میں جانور چرنے سے نہیں روک سکتا ۔ اب حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ تمہارے پاس اگر زائد پانی ہے تو ضرورت مندوں کو استعمال کرنے سے نہ روکو ۔ ان کے مویشیوں کو پانی پینے کے لیے آنے دو اگرچہ وہ پانی پینے کے لیے آتے وقت یا پانی پی کر جاتے وقت چراگاہ میں چریں ۔

کچھ لوگ ایسا کرتے تھے کہ زائد پانی دوسرے کو استعمال نہیں کرنے دیتے تھے کہ ان کے جانور ہماری چراگاہ میں چریں گے تو لامحالہ ضرورت مند پانی خریدتے تھے اور یہ خریداری ذریعہ بنتی تھی چراگاہ میں جانور چرنے کا ، گویا پانی بیچنے کو حیلہ بناتے تھے چراگاہ میں جانور چرانے کا ، اسے اس حدیث میں منع فرمایا گیا ۔ (نزھہ)

باب : إذا غصب جارية فزعم أنها ماتت ، فقضى بقيمة الجارية الميتة ، ثم وجدها صاحبها فهي له و يرد القيمة و لاتكون القيمة ثمنا ، و قال بعض الناس : الجارية للغاصب لأخذه القيمة و في هذا إحتيال لمن اشتهى جارية رجل لايبيعها فغصبها و اعتلّ بأنها ماتت حتى يأخذ ربها قيمتها فيطيب للغاصب جارية غيره ، و قال النبي صلى الله عليه وسلم : و أموالكم عليكم حرام و لكل غادر لواء يوم القيامة .

یعنی : کسی نے کسی کی باندی غصب کرلی ، پھر گمان کیا کہ وہ مرگئی جس کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ غاصب مردہ لونڈی کی قیمت مالک کو ادا کرے ، اس کے بعد مالک کو لونڈی زندہ مل گئی تو لونڈی مالک کی ہے اور غاصب کو قیمت واپس کردی جائے گی اور یہ قیمت لونڈی کا ثمن نہیں ہوگی ۔ اور بعض الناس نے کہا کہ : اس صورت میں لونڈی غاصب کی ہے کیونکہ اس نے (جس کی لونڈی غصب ہوئی ہے)قیمت لے لی ، اس میں اس شخص کے لیے حیلہ ہے جو کسی شخص کی لونڈی کو چاہتا ہو اور اس لونڈی کا مالک لونڈی کو بیچنے پر رضامند نہ ہو تو وہ شخص اس لونڈی کو غصب کرلے اور یہ عذر بیان کرے کہ وہ مرگئی تاکہ اس کا مالک اس کی قیمت لے لے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غاصب کے لئے دوسرے کی لونڈی جائز ہوگئی ، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمہارے مال تم پر حرام ہیں اور ہر فریبی کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا ۔

نزھۃ القاری میں ہے : حسب عادت یہ بھی احناف پر تعریض ہے اور اس کی بنیاد حضرت امام بخاری کا قلت تفقہ ہے اور احناف کے مسائل سے کما حقہ عدمِ واقفیت ہے ۔

احناف کا صحیح اور مختار مذہب ہے ہے کہ اس صورت میں غاصب پر واجب ہے کہ لونڈی کو واپس کرے ، اس لیے سرے سے اس تعریض کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور احناف میں سے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ : لونڈی غاصب کی ہے ، اس کی بنیاد ایک اصل پر ہے ، وہ یہ ہے کہ : جھوٹی گواہی پر قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوتا ہے یا صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نہیں ؟ اس کو امام سرخسی نے مبسوط میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے ۔

صورت مبحوثہ میں جب قاضی نے یہ فیصلہ کردیا کہ لونڈی مرچکی ہے اور غاصب مالک کو لونڈی کی قیمت ادا کردے اور مالک نے غاصب سے لونڈی کی قیمت لے لی اس کے بعد یہ کہنا کہ لونڈی پہلے شخص کی ملک میں ہے ، بدل اور مبدل منہ دونوں کا ایک شخص کی ملکیت میں

جمع ہونے کا قول کرنا ہے اور یہ نہ عقلاً صحیح ہے نہ شرعاً اور اتنی بات ہم بھی کہتے ہیں کہ لونڈی کے حاصل کرنے کے لئے غاصب نے ایک نہیں کئی جرم کیے ۔ غصب کیا ، جھوٹ بولا ، جھوٹے گواہ پیش کیے اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں کہ ایک فعل ناجائز ہے مگر حکم شرعی اس پر مرتب ہوتا ہے جیسے حالتِ حیض میں طلاق جائز نہیں لیکن اگر کوئی دے گا تو طلاق پڑ جائے گی ۔ (نزھہ)

قال بعض الناس : إن لم تستأذن البكر و لم تزوج فاحتال رجل ، فأقام بشاهدى زور أنه تزوجها برضاها ، فأثبت القاضى نكاحها و الزوج يعلم أن الشهادة باطلة فلا بأس أن يطأها و هو تزويج صحيح

یعنی بعض الناس نے کہا کہ : اگر باکرہ بالغہ سے اذن نہیں لیا اور نہ شادی کی اور اس شخص نے حیلہ کیا اور دو جھوٹے گواہ کھڑے کردیئے کہ اس نے اس عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے نکاح کیا ہے ، اس پر قاضی نے نکاح ثابت ہونے کا حکم دے دیا حالانکہ شوہر جانتا ہے کہ گواہی باطل ہے پھر بھی کوئی حرج نہیں کہ یہ شخص اس عورت سے وطی کرے اور یہ تزویج صحیح ہے ۔

نزھۃ القاری میں ہے : اس مسئلہ کو لے کر آج کل کے غیر مقلدین وہابی بہت احناف پر لعن طعن اور تشنیع کرتے رہتے ہیں ، حالانکہ اس قسم کے کیس میں یہی فیصلہ مولی المسلمین امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ : ایک شخص نے ایک عورت پر دعوی کیا کہ میرا اس سے نکاح ہوا ہے ، عورت نے انکار کردیا ، مدعی نے دوگواہ پیش کیے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح ثابت ہونے کا حکم دیا ۔ جب اس (عورت) نے یہ دیکھا تو عرض کیا : اے امیرالمومنین! میرا اس سے نکاح کردیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ان دونوں گواہوں نے تیرا نکاح کردیا ۔ نیز مبسوط ہی میں ہے کہ : حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی اسی کے مثل ہے ۔ حضرت امام بخاری تو یوں معذور سمجھے جاسکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام شعبی کے فتوے کا علم نہ رہا ہو لیکن غیر مقلدین سب کچھ جانتے ہوئے صرف اپنے کفریات اور ضلالات پر پردہ ڈالنے کے لیے اس مسئلہ کو احناف کی طرف نسبت کرکے خوب دل کے بخار نکالتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی یہی ہے کہ اس مسئلہ کو لے کر جتنا کیچڑ اچھالیں گے وہ سب حضرت امام شعبی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پڑے گا مگر غیرمقلدین کے مذہب کی بنیاد ہی اسی پر قائم ہے وہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمان صحابہ کرام تابعین عظام سے کٹ کر ان کے دام تزویر میں پھنسیں ۔

شارح بخاری مزید فرماتے ہیں : مسئلہ کی توضیح سے پہلے ہمارا ایک سوال ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے بعد یہ عورت کیا کرے ؟ جب قاضی نے فیصلہ کردیا کہ مثلاً یہ زید کی بیوی ہے اور وہ کسی اور سے نکاح کرے تو تعزیر بلکہ حد کی مستحق ہوگی اور بہ قول غیرمقلدین زید کے لئے حلال نہیں تو ایسی صورت میں اس عورت کی زندگی برباد ہوگی ، مولی عزوجل امیر المومنین امام المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس قسم کی مظلومہ عورتوں کے لئے انہوں ایک تدبیر فرمادی کہ اگرچہ پہلے سے نکاح نہیں ہوا مگر قاضی

کا فیصلہ بمنزلہ عقد نکاح کے ہے ، بلکہ غورکیجئے کہ نجی ایجاب و قبول سے بڑھ کر قوی قاضی کا فیصلہ ہے ۔ کسی نے دو گواہوں کے سامنے عورت کی رضامندی سے نکاح کیا ، نکاح اپنی جگہ صحیح پھر کسی وجہ سے مثلاً عورت نے انکار کردیا ۔ معاملہ قاضی کے یہاں پیش ہوا ، فرض کیجئے ! دونوں یا ان میں سے ایک گواہ مرگیا یا دونوں یا ان میں سے ایک قبول شہادت کے لائق نہیں ، اب قاضی نے عورت سے قسم کھانے کا حکم دیا ، عورت نے قسم کھا لی کہ میرا نکاح اس شخص سے نہیں ہوا ۔ قاضی مجبور ہوگا کہ فیصلہ کرے کہ یہ عورت اس کی زوجہ نہیں ، اس کے برخلاف جب قاضی نے فیصلہ کردیا کہ نکاح ثابت ہے ، یہ عورت اس کی بیوی ہے تو اسے کوئی توڑ نہیں سکتا ، اس نکتے کو سامنے رکھ کر علمائے احناف نے فرمایا کہ : قاضی کا فیصلہ بہ منزلہ عقد ہے ، پہلے نکاح نہیں ہوا تھا تو قاضی کے فیصلہ کے بعد نکاح منعقد ہوجائے گا ، اسی لیے تو جب اس عورت نے خود عرض کیا کہ امیرالمومنین میرا نکاح اس کے ساتھ کردیں تو امیرالمومنین نے نکاح نہیں کیا ۔

اصل میں یہ مسئلہ بھی اسی کی فرع ہے کہ قاضی کا فیصلہ عقود میں ظاہراً باطناً نافذ ہوتا ہے دو شرطوں کے ساتھ ، ایک یہ کہ قاضی کو علم نہ ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں ، دوسرے یہ کہ محل قضا قبول کرنے کا اہل ہو مثلاً حق غیر سے فارغ ہو اور اگر محل حق غیر ہے تو قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ نہ ہوگا ، مثلاً ایک عورت کسی کی زوجہ ہے یا کسی کی عدت میں ہے اس پر کسی نے دعوی کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور جھوٹے گواہ پیش کردیئے ، اس بناء پر قاضی نے فیصلہ کردیا ، پھر بھی شوہر کو یہ جائز نہیں کہ اس عورت سے وطی کرے اس لیے کہ یہاں عورت کے ساتھ حق غیر متعلق ہے ۔ اس کی شریعت میں بہت سی نظیریں ہیں کہ بہت سی باتیں ضمناً لزوماً ثابت ہوجاتی ہیں ، جیسے لعان سے طلاق کہ لعان کے بعد قاضی تفریق کا حکم دے گا اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہے عنین اور اس کی عورت کے درمیان قاضی تفریق کا حکم دے گا اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہے حالانکہ ان دونوں صورتوں میں شوہر نے طلاق نہیں دی ہے ، اسی طرح مسئلہ مبحوثہ میں اگرچہ عقد نکاح بہ ظاہر نہیں ہوا مگر قاضی کا حکم بہ منزلہ عقد نکاح کے ہے ۔ یہ حضرت امام طحاوی کے افادات سے ہے ۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء (نزھة القاری)

<u>قال بعض الناس : إن وهب هبة ألف درهم أو أكثر حتى مكث عنده سنين و احتال فى ذالك ، ثم رجع الواهب فيها فلا زكوة على واحد منهما فخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الهبة و أسقط الزكوة</u>

یعنی بعض الناس نے کہا : اگر کسی نے کسی کو ہزار درہم یا زیادہ ہبہ کیا اور وہ اس رقم موہوب لہ کے پاس برسوں رہی پھر واہب نے حیلہ کرتے کوئے ہبہ سے رجوع کرلیا تو ان دونوں میں سے کسی پر زکوۃ نہیں ، بعض الناس نے ہبہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مخالفت کی اور زکوۃ کو ساقط کردیا ۔ (وہ اس طرح کہ نبی پاک کا فرمان ہے : اپنے ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے کہ جو اپنی قے پر پلٹے)

نزھة القاری میں ہے : یہاں بھی حضرت امام بخاری سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر تعریض کر رہے ہیں اور دو طریقے سے اعتراض کر رہے ہیں ۔ اول : ہبہ کے رجوع میں اور دوسرے : حیلہ سے زکوۃ ساقط کرنے کے حکم پر ، مگر یہ دونوں اعتراض اپنی جگہ درست نہیں ، ہبہ میں رجوع کو ہم احناف بھی مکروہ سمجھتے ہیں ، لیکن اگر کسی نے رجوع کرلیا تو

رجوع صحیح ہے جیساکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : إن وهب هبة فهو أحق بها ما لم يثب منها ۔ جس نے کوئی ہبہ کیا تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے جب تک اس کا بدلہ نہ وصول کرچکا ہو ۔ اس حدیث کا حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے ، البتہ رجوع کے چند شرائط ہیں : ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس ہبہ کا موہوب لہ نے کوئی بدلہ نہ دیا ہو اور وہ چیز باقی ہو وغیرہ وغیرہ ، اس لیے ہبہ کے رجوع کے قول پر طعن کرنا کسی طرح درست نہیں ، نیز اس کی اہم شرط یہ ہے کہ موہوب لہ بہ خوشی واپس کرے یا قاضی کے حکم سے واپس کرے ۔

رہ گیا زکوۃ کا مسئلہ تو جب کہ واہب پر زکوۃ واجب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور رجوع کے بعد اس کو مال ملا تو وہ نئے سرے سے اس کا مالک ہوا تو جب تک اس پر حولانِ حول نہ ہوجائے زکوۃ کیسے واجب ہوگی ۔ ہاں ! موہوب لہ کے پاس جتنے سال رہا اتنے سالوں کی زکوۃ اس پر ان مالوں کی واجب تھی ، اس پر واجب تھا کہ سال بہ سال زکوۃ ادا کرتا رہتا ، اس نے تاخیر کی اس کا گناہ اس پر ہوا اور جب اس نے بہ خوشی یا قاضی کے حکم سے واہب کو یہ روپے واپس کردیئے تو گویا اس نے مال کو ہلاک کردیا اور ہلاک شدہ مال پر زکوۃ نہیں ۔

ہم نے اس مسئلہ سے متعلق جو دو باتیں ذکر کی ہیں ان میں سے کسی سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ، پھر دونوں سے جو نتیجہ نکل رہا ہے اس سے انکار کرنا دیانت نہیں ۔ ہاں! اگر کوئی بخیل خدا نا ترس زکوۃ ساقط کرنے کی نیت سے ایسا حیلہ کرے تو یقیناً ہمارے نزدیک وہ سخت قابلِ ملامت ہے ۔

لیکن اگر کوئی بدنیت اپنے اوپر سے زکوۃ ساقط کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ کہاں ضروری ہے کہ رقم موہوب لہ کے پاس برسوں رہے بلکہ ایک دن ایک گھنٹہ رہنا بھی ضروری نہیں ، سال تمام ہونے سے دس منٹ پہلے کوئی اپنا مال کسی کو ہبہ کردے ، اسے قبضہ بھی دلادے ، پھر فوراً واپس لے لے تو بھی واہب پر زکوۃ نہیں ہوگی ۔ لیکن بہرحال کوئی بھی زکوۃ ساقط کرنے کے لئے ایسا حیلہ کرے وہ ضرور قابلِ مذمت ہے ۔ (نزھہ)

<u>قال بعض الناس : الشفعة للجوار ، ثم عمد إلى ماشدّده فأبطله و قال : إن اشترى دارا فخاف أن يأخذها الجار بالشفعة فاشترى سهما من مائة سهم ثم اشترى الباقى و كان للجار الشفعة فى السهم الأول و لاشفعة له فى باقى الدار و له أن يحتال فى ذالك</u>

یعنی : بعض الناس نے کہا : حقِ شفعہ پڑوس کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے ۔ پھر اس انہوں نے جو شفعہ انہوں نے ثابت کیا ہے اسے باطل کرنے کا قصد کیا اور کہا : اگر کوئی گھر خریدنا چاہتا ہے مگر اسے ڈر ہے کہ کہیں پڑوسی حقِ شفعہ کی وجہ سے وہ گھر نہ لے لے ، تو اب وہ یوں کرے کہ پہلے گھر کے سو حصوں میں سے ایک حصہ خریدے پھر باقی حصے خریدے ۔ (اس سے یہ ہوگا کہ وہ اب مالکِ مکان کا شریک ہوجائے گا اس گھر میں اور اب جب بقیہ گھر خریدے گا تو شریک کی حیثیت سے خریدے اور شریک کے مقابلے میں پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ملا کرتا) اور پڑوسی کو شفعہ کا حق پہلے حصے میں تھا (اور اس نے ایک حصہ نہیں خریدنا چاہا اور اسے چھوڑدیا تو اب) بقیہ گھر میں اسے شفعہ کا حق نہیں ملے گا ۔ مشتری کو جائز ہے کہ اس طرح کا حیلہ اختیار کرے ۔

نزھة القاری میں ہے : ہمیں حیرت ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ کو کس قصد سے ذکر فرمایا ہے ، چونکہ حضرت امام بخاری راہب صفت تارک الدنیا بزرگ تھے اس لیے تمدنی اور معاشرتی دشواریوں پر ان کی نظر مبارک نہیں تھی ، کبھی کبھی اسقاطِ شفعہ تمدنی ضرورت ہوتی ہے کبھی شرعی ضرورت ہوتی ہے ، مثلاًمالک مکان کے پڑوسی کے پاس ضرورت سے زیادہ مکان ہیں اور جو خریدنا چاہتا ہے اس کے پاس کوئی مکان نہیں اور عام طور پر خریدےگا تو حریص پڑوسی اس کو لے لے گا ایسے موقع پر اس قسم کی ترکیب کی شدید ضرورت ہوتی ہے ۔ فرض کیجئے ! پڑوسی فاسق فاجر ہے ، مالک مکان کمزور ضعیف ہے ، اس کے فسق و فجور سے عاجز ہے ، اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے مکان بیچنا چاہتا ہے ، کوئی قوی مکان خرید رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ وہ فاسق فاجر شفعہ میں مکان لے لے گا تو اس وقت بھی شفعہ سے بچنے کی ترکیبوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ (نزھہ)

<u>قال بعض الناس : إذا أراد أن يبيع الشفعة فله أن يحتال حتى يبطل الشفعة فيهب البائع للمشترى الدار و يحدها و يدفعها إليه و يعوضه المشترى ألف درهم فلايكون للشفيع فيها شفعة</u>

یعنی بعض الناس نے کہا کہ : جب کوئی اپنا حق شفعہ بیچنا چاہے تو وہ حیلہ کرکے شفعہ باطل کرسکتا ہے وہ یوں کہ بائع مشتری کو گھر ہبہ کردے اور اس کی حدبندی کرکے مشتری کو دیدے اور مشتری اس ہبہ کے عوض ہزار درھم بائع یا موہب کو دے دے ، تو اب شفیع کو حق شفعہ نہ رہے گا (کیونکہ حق شفعہ اعراض عن الملک بالبیع کی وجہ سے ہے نہ کہ ہبہ کی وجہ سے حقِ شفعہ ملتا ہے ۔)

نزھة القاری میں ہے : بوقت ضرورت شفعہ سے بچنے کی ایک دوسری ترکیب ہے جس پر امام بخاری خفا ہیں اور شرعاً اس میں کوئی قبح نہیں ۔

<u>قال بعض الناس : إن اشترى نصيب دار فأراد أن يبطل الشفعة وهب لإبنه الصغير و لايكون عليه يمين</u>

یعنی بعض الناس نے کہا کہ : اگر کسی نے گھر کا کچھ حصہ خریدا اور وہ شفعہ باطل کرنا چاہتا ہے تو وہ مبیع اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کردے اور چھوٹے بچے پر قسم نہیں ۔

نزھة القاری میں ہے : یہ احناف پر امام بخاری کی مہربانیوں میں سے ایک عظیم مہربانی ہے لیکن کوئی ہمیں بتائے کہ اگر کسی شخص نے کوئی مکان خرید کر اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کیا تو کیا یہ کوئی گناہ ہے ؟ نابالغ بچے کو ہبہ کرنے کی قید اس لئے ہے کہ اگر شفعہ کا حق دار مشتری پر دعوی کرے اور خریدار یہ کہہ دے کہ میں نے مکان اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کردیا ہے ، حالانکہ یہ حقیقت میں ہبہ نہیں بلکہ شفعہ سے بچنے کا ایک بہانہ ہے اور شفعہ کا دعویدار مطالبہ کرے کہ موہوب لہ قسم کھالے تو اگر (موہوب لہ) اجنبی ہوگا تو اس کو بھی قسم کھانی پڑے گی ، بالغ لڑکا ہوگا تو اسے بھی قسم کھانی پڑے گی ، نابالغ بچے پر قسم نہیں اس لیے لإبنه الصغير کی قید لگائی ۔

قال بعض الناس : إن اشترى دار بعشرين الف درهم ، فلابأس أن يحتال حتى يشترى الدار بعشرين ألف درهم و ينقده تسعة آلاف درهم و تسع مائة درهم و تسعة و تسعين و ينقده دينارا بما بقى من العشرين الألف ، فإن طلب الشفيع أخذها بعشرين ألف درهم و إلا فلا سبيل له على الدار فإن استحقت الدار رجع المشترى على البائع بما دفع إليه و هو تسعة آلاف درهم و تسع مائة و تسعة و تسعون درهما و و دينار ، لأن البيع حين استحق انتقض الصرف فى الدينار فإن وجد بهذه الدار عيبا و لم تستحق فإنه يردها عليه بعشرين ألف درهم ، قال أبو عبدالله : فأجاز هذا الخداع بين المسلمين ، قال النبى صلى الله عليه و سلم : بيع المسلم لا داء و لاخبثة و لا غائلة .

یعنی : بعض الناس نے کہا : جب کوئی گھر بیس ہزار درہم میں خریدا تو کوئی حرج نہیں ہے کہ شفعہ ساقط کرنے کے لئے یہ حیلہ کرے کہ اس کو نو ہزار نو سو ننانوے درہم دے اور جو بیس ہزار میں سے باقی رہ گیا اس کے عوض ایک دینار دے ۔ اب اگر شفعہ کا حق دار حق شفعہ طلب کرے تو اس کو یہ گھر بیس ہزار میں لینا پڑے گا ورنہ گھر پانے کی اس کے لیے کوئی سبیل نہیں ۔ اب اگر گھر میں کسی اور کا حق نکل آیا تو مشتری بائع سے وہی لے گا جو اس نے مشتری کو دیا ہے اور یہ نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار ہے ، اس لیے کہ بیع میں جب دوسرے کا حق نکل آیا تو دینار کی بیع صَرف ٹوٹ گئی ۔ اب اگر اس گھر میں کوئی عیب پایا اور اس میں کسی کا حق نہیں نکلا تو بیس ہزار درہم میں اس کو لوٹائے گا ، ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا : تو بعض الناس نے مسلمانوں کے مابین دھوکہ کو جائز قرار دیا ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مسلمانوں کی بیع میں نہ بیماری ہونی چاہیے اور نہ ہی کوئی حرام بات اور نہ نقصان ۔

نزھۃ القاری میں ہے : حسبِ دستور یہ بھی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر تشنیع ہے ، اس کے جواب میں ہم صرف یہی عرض کریں گے : تلك أمة قد خلت لها ما كسبت و عليها ما اكتسبت ، البتہ افسوس اس کا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب تشنیعات بے جا کی ہیں ، انہوں نے ان سب تشنیعات کو ذکر کرکے خوب لذت حاصل کی اور یہ نہیں سوچا کہ اہلِ علم اس کو پڑھیں گے تو ان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے ، ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ کبھی کبھی اس کی شدید ضرورت پیش ہوتی ہے کہ مکان کو شفعہ کے حق دار سے بچایا جائے ، بشرطیکہ بچانے میں کوئی شرعی قباحت کا ارتکاب نہ کرنا پڑے ۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی چیز کا سودا جتنے میں طے ہوا اس سے کم قیمت ادا کی جائے جب کہ بائع راضی ہو ۔ وہی صورت یہاں بھی ہے ، مکان کی قیمت طے ہوئی تھی بیس ہزار ، بائع نے بہ خوشی قیمت کم کردی تو اس میں کیا جرم اور کیا دھوکہ ہے ؟

اسی بخاری میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور حضرت بلال سے فرمایا کہ : جابر کو اونٹ کی قیمت دے دو اور کچھ زیادہ دے دینا ، جس طرح مشتری اپنی خوشی سے قیمت کچھ زیادہ دےدے تو کچھ حرج نہیں اسی طرح بائع اپنی خوشی سے قیمت کچھ کم کردے تو کوئی حرج نہیں ۔

اس پر ایک سنگین اعتراض یہ ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ بیع میں استحقاق کے بعد بھی اور عیب نکلنے کے بعد بھی مشتری کو مبیع کی اتنی ہی قیمت واپس کرے گا جتنی اس نے لی ہے ۔ اسی طرح شفعہ کا حق دار مکان اسی قیمت پر لے گا جو بائع نے مشتری سے وصول کی ہے ۔ اسی کو ذہن میں رکھ کر حضرت امام بخاری رحمۃاللہ علیہ نے اتنا سخت جملہ ارشاد فرمایا :

فأجاز الخداع بین المسلمین ، اگر ان میں تفقہ ہوتا تو تعریض کے لئے نہ اس مسئلہ کو ذکر کرتے اور نہ اتنا سخت جملہ استعمال کرتے ۔

جب مبیع میں کسی کا حق نکل آیا تو ظاہر ہوگیا کہ بیع صحیح نہ تھی ، اس لیے کہ بیع مالک کے غیر نے کی تھی اور اس بیع کی صحت ہی پر دس ہزار درہم کے عوض ایک دینار کی بیع صرف ہوئی تھی اور جب اس کا مبنی فاسد تو بیع صرف بھی فاسد ، تو لا محالہ مشتری اتنا ہی واپس کرے گا جتنا اس کو ملا ہے اور عیب کی صورت میں بیع تام ہوتی ہے اسی لیے مبیع میں عیب نکلنے کے بعد بیع اس وقت تک فسخ نہ ہوگی جب تک کہ دونوں خود راضی نہ ہوں یا قاضی فسخ کا حکم نہ دے ، اس لیے دینار کی دراہم کے عوض جو ضمنی بیع ہوئی وہ باقی رہی ، لامحالہ مشتری بائع سے بیس ہزار وصول کرے گا کیونکہ یہی قیمت طے تھی ، اسی طرح شفیع جب لے گا تو بیس ہزار دے گا کیونکہ مکان کی قیمت یہی ہے ۔ (نزھہ)

کتاب التہجد

تہجد : تہجد کا معنی ہے رات کو نیند سے بیدار ہونا ، ہجود نیند کو کہا جاتا ہے اور نماز تہجد کا معنی یہ ہے کہ رات کی نماز کیلئے بیدار ہونا ۔

تہجد کی کتنی رکعتیں نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے ادا فرمائیں ؟

کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ دس رکعت حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تہجد کی نماز پڑھی ۔ صوفیاء کرام بارہ رکعت پڑھتے ہیں ۔
شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : تہجد کی رکعات کے سلسلے میں روایات مختلف آئی ہیں ۔ خود حضرت ام المؤمنین سے جو روایتیں آئی ہیں، ان میں بھی اختلاف ہے ۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اس کی تعداد مقرر نہ تھی ، مختلف احوال میں مختلف تعداد رہی ، مرض ، تکان ، عمر ، وقت کے لحاظ سے تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی ۔ یہی بات رکعات کی تعداد میں اختلاف کا باعث بن گئی ۔ (نزھة القاری)

کیا قرآن پاک میں کوئی غیر عربی کلمہ ہے ؟

صحیح یہ ہے کہ : قرآن کریم کے تمام کلمات کریمہ عربی الاصل ہیں ۔ کوئی کلمہ عجمی الاصل نہیں اور جو چند کلمات کے بارے میں اسلاف نے فرمایا ہے کہ فلاں زبان کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان زبانوں میں بھی مستعمل ہیں ، یہی جمہور امت کا مذہب ہے ۔ قرآن مجید میں کوئی غیر عربی کلمہ نہیں اس پر برہان قاطع یہ ہے کہ : قرآن مجید نے اپنے منکرین کو چیلنج فرمایا کہ اگر تم اسے کلام الہی نہیں مانتے اور یہ کہتے ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہی کا کلام ہے تو تم لوگ بھی انہیں کی طرح عربی ہو ، اس کی ایک چھوٹی سی صورت کے مثل لاؤ ۔ مگر وہ عاجز رہے اور نہ لا سکے ۔ اب اگر قرآن مجید کے کچھ کلمات کو غیر عربی الاصل مان لیا جائے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ اس میں عجمی کلمات ہیں ہم عجمی زبان سے واقف نہیں اس لیے اس کے مثل کلام پر قادر نہیں ۔ (نزھہ)

کیا نمازِ تہجد فرض تھی ؟

سورہ مزمل کے نزول کے بعد تہجد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بھی اور صحابہ کرام پر بھی واجب و فرض تھی ۔ سال بھر تک یہی حکم باقی رہا ، پھر اسی سورہء مبارکہ کی اخیر آیت سے فرضیت یا وجوب منسوخ ہوگیا ۔ (نزھہ)

کیا تہجد نبی پاک پر فرض رہی بعد منسوخ ہونے کے ؟

صحیح یہ ہے کہ نمازِ تہجد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نمازِ پنجگانہ کی فرضیت کے بعد بھی فرض رہی ۔ (نزھہ)

حدیث پاک میں ہے : يعقد الشيطان على قافية رأس أحدكم إذا هو نام ثلاث عقد يضرب عند كل عقدة عليك ليل طويل فارقد ، فإن استيقظ فذكر الله إنحلّت عقدة فإن توضأ إنحلّت عقدة فإن صلى إنحلّت عقدة فأصبح نشيطا طيّب النفس و إلا أصبح خبيث النفس كسلان ....
کیا واقعی شیطان سونے والے کی گدی پر گرہ لگا کر کہتا ہے کہ لمبی رات باقی ہے سویا رہ ؟

علامہ شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : نصوص کو ظاہری معنی پر محمول کرنا ضروری ہے ، جب تک ظاہر معنی سے پھیرنے والی کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں اس پر کوئی دلیل نہیں ، اس لیے ظاہری معنی مراد لینا ہی متعین ہے ۔ اگرچہ ہم اس گرہ کو محسوس نہ کریں ، بلکہ اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے : مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے : تمہاری گدی پر رسی ہے جس میں تین گرہیں ہیں ، نیز ابن ماجہ میں بھی ہے کہ فرمایا : تمہاری گدی پر رات کو شیطان رسی سے تین گرہیں لگا دیتا ہے ۔ (نزھہ)

حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کی بارگاہ میں ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سویا رہا نماز کیلئے اٹھا ہی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بال الشيطان فی أذنه ، کیا واقعی شیطان بے نمازی کے کان میں پیشاب کرتا ہے ؟

علامہ شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : صحیح یہی ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنی پر ہے ، یعنی جب شیطان دیکھ لیتا ہے کہ اس نے میرا کام کردیا تو اس کے کان میں پیشاب کردیتا ہے ، اس کی تذلیل و تحقیر کے لیے یا مقصد یہ ہے کہ پیشاب کرکے کان بند کردیتا ہے کہ اذان نہیں سنتا کہ اٹھ کر نماز پڑھتا ۔ اور یہ فرض نماز چھوڑنے والے کے لئے ہے ۔ (نزھہ)

ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة کی وضاحت کریں ؟

علامہ شریف الحق امجدہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : اللہ عزوجل نزول عروج جگہ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے آنے سے منزہ ہے ، اس لیے کہ یہ سب جسم کے لوازم سے ہیں اور اللہ عزوجل جسم و جسمانیت سے پاک ہے اس لیے کہ وہ قدیم واجب بالذات ہے ۔
اقول : یہ بھی متشابہات سے ہے ، جس میں مذہب اسلم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے پر ایمان رکھا جائے اور معنی اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالی علیہ و سلم کے سپرد کردیا جائے ۔

بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں : امر یا ملك محذوف ہے ، یعنی حکمِ الٰہی نازل ہوتا ہے ، یا الله عزوجل کے حکم سے فرشتہ اترتا ہے ۔ اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ : پھر ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ ندا کرے ، جیساکہ دارقطنی نے بہ طریق اہل بیت اسد الله حضرت علی رضی الله عنہ سے روایت کیا ہے ۔ وجہ تائید یہ ہے کہ : عام احادیث میں یہ مذکور ہے کہ الله عزوجل ندا فرماتا ہے ، اور اس میں ہے کہ الله عزوجل فرشتے کو ندا کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ مامور کا فعل حقیقیت میں آمر کا ہی ہوتا ہے ، چونکہ الله کے حکم سے فرشتہ اترتا ہے اس لیے اس کی اسناد الله عزوجل کی طرف کردی گئی ہے ۔

دوسری یہ کہ : اس سے رحم و کرم کی خاص تجلی مراد ہے ۔

کیا نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام جنت داخل ہوئے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟

علامہ عینی علیہ الرحمہ نے کہا : تحقیق یہ ہے کہ سید عالم صلی الله تعالی علیہ وسلم شب معراج جنت میں داخل ہوئے تھے ، اور یہ کہنا کہ موت سے پہلے جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا عام نہیں ہے ۔ اگر اس کو عموم پر بھی محمول کرلیا جائے تو مراد یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں کوئی بھی موت سے پہلے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا اور نبی کریم صلی الله علیہ وسلم جب ساتوں آسمان عبور کرکے سدرۃ المنتہی پہنچے تو آپ اس جہان سے باہر چلے گئے تھے لہذا آپ کا جنت میں داخل ہونا ممتنع نہیں ہے ۔ (تفہیم البخاری ، حصہ دوم ، ص۲٤۹)

علامہ عینی کے الفاظ : و النبی صلی الله علیه و سلم لما جاوز السماوات السبع و بلغ إلی سدرة المنتهی خرج من أن يكون من أهل هذا العالم فلا يمتنع بعد هذا دخوله الجنة قبل الموت ۔ (عمدہ)

احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ : تراویح باجماعت افضل ہے ، امام اعظم امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کہتے ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں ۔ جمہور آئمہ کا یہی مذہب ہے ۔

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا کیسا ؟

امام شافعی رضی الله عنہ کے نزدیک صبح کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ پر لیٹنا سنت ہے تاکہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان فصل ہوجائے اور یہ فرق کلا وغیرہ سے بھی جائز ہے ۔

حضرت عبدالله بن مسعود اور عبدالله بن عمر رضی الله عنهما نے کہا یہ بدعت ہے ۔
ابراہیم نخعی نے کہا کہ عبدالله ابن مسعود نے کہا : وہ شخص کیسا ہے جو صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹ جاتا ہے ۔
ابراہیم نخعی نے کہا : یہ شیطانی ضجعہ ہے ۔
امام مالک اور جمہور علماء رضی الله عنهم کا مذہب بھی یہی ہے کہ صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنا بدعت ہے ۔
امام ابوحنیفہ رضی الله عنہ نے کہا : قیام لیل سے جو طبیعت میں تھکاوٹ آجاتی ہے اور نفس بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے اگر یہ اس کی مدافعت کیلئے ہے تاکہ جسم کو تھوڑی سی راحت ہو

تو حسن ہے بہتر ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و سلم کا لیٹنا اسی لئے تھا ۔ (تفہیم البخاری ، حصہ دوم ، ص۲۵۵)

علامہ شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : یہی ہمارا مذہب ہے کہ : فجر کی سنت کے بعد لیٹنا واجب نہیں اور نہ سنت مؤکدہ ہے ۔ اگر کوئی تہجد کا عادی ہے تو وہ فجر کی سنت سے پہلے یا بعد میں لیٹ لے تاکہ تکان دور ہوجائے اور تازہ دم ہوکر انبساط کے ساتھ نمازِ فجر پڑھ سکے ۔صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اسے بدعت کہتے تھے اور لوگوں کو سختی سے روکتے تھے ۔ (نزھہ)

کیا نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی ، اگر پڑہی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کیوں فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی اور میں پڑھتی ہوں ، اسی طرح بخاری شریف ،کتاب التہجد ، باب صلوۃ الضحی فی السفر میں جناب ابن عمر سے مروی حدیث پاک میں کہ آپ نے فرمایا : میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بھی چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے ، فما جوابك فی هذه المسئلة ؟؟؟؟؟؟؟

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے علم کے اعتبار سے یہ خبر دی ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی) ۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی آپ نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فتح مکہ میں چاشت کی نماز پڑھی اور حضرت ابو ذر اور ابو ہریرہ کو (نمازِ) چاشت پڑھنے کی وصیت فرمائی ۔ (سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں : أوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکعتی الضحی)

اسی طرح جناب ابن عمر رضی اللہ تعالی کا نبی پاک کو چاشت کی نماز نہ پڑھتے دیکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پاک نفس الامر اور واقع میں بھی نہ پڑھتے تھے ، کیونکہ عدمِ رؤیت عدمِ وقوع پر دلالت نہیں کرتی ۔

ہاں یوں کھ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ چاشت کی نماز ادا نہ فرمائی تاکہ فرض نہ ہوجاوے ۔ البتہ نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام سے یہ ثابت ضرور ہے کہ آپ نے چاشت کی نماز پڑہی جیساکہ کتاب التہجد باب صلوۃ الضحی فی السفر میں روایت ہے کہ جناب عبدالرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ : علاوہ ام ہانی رضی اللہ عنہ کے کسی نے بھی ہمیں خبر نہیں دی کہ اس نے نبی پاک کو نمازِ چاشت پڑھتے دیکھا ہے ۔ سیدہ ام ہانی فرماتی ہیں کہ : نبی پاک ان کے گھر تشریف لائے فتح مکہ کے دن ، آپ نے غسل فرمایا ، اور آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی ۔

بخاری میں کتاب التہجد ، باب التطوع بعد المکتوبہ میں سیدنا ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کی متابعت میں ظہر سے قبل دو رکعتیں ادا کیں ، اسی طرح سیدنا ابن عمر سے بخاری شریف کتاب التہجد باب التطوع قبل الظھر میں مروی ہے کہ میں نے نبی پاک سے دس رکعتیں محفوظ کی ہیں اور ان میں دو رکعتیں ظہر سے قبل کی شمار فرمائی ، اس سے کیا مراد ہے ؟ ؟ ؟

اس حدیث میں اگرچہ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑہنا مذکور ہے مگر بخاری ، ابو داؤد نسائی نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں کبھی نہیں چھوڑی تھیں - - -
اسی کتاب التہجد ، باب الرکعتین قبل الظہر میں سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ظہر سے قبل چار رکعتیں اور صبح کی نماز سے قبل دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑتے -

علامہ شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ : (نبی پاک) ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے - ام المومنین فرماتی ہیں کہ چار رکعت - ترجیح اسی کو ہے ، ثقہ کی زیادتی مقبول ہے - اکثر اقل کا نافی نہیں ، پھر اس کا بھی احتمال ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت گھر کے اندر پڑھتے ہوں جیساکہ مسند امام احمد اور ابو داؤد میں ہے کہ : چار رکعت گھر میں پڑھتے تھے - جنہیں ام المؤمنین ملاحظہ فرماتی ہوں اور دو رکعت مسجد میں تشریف لاکر پڑھتے ہوں جنہیں ابن عمر نے دیکھا - ہوسکتا ہے یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہو - (نزھہ)

مغرب سے پہلے نفل پڑہنا کیسا ؟ ؟ ؟

تفھیم البخاری میں ہے : ابن عربی رحمہ اللہ تعالی نے کہا : مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑہنے میں صحابہ کا اختلاف ہے ، صحابہ کے بعد یہ کسی نے نہیں پڑھیں - --------------- امام مالک ، ابو حنیفہ اور شافعی رضی اللہ عنھم کا یہی مسلک ہے (کہ نہیں پڑھیں گے) -
اور جو احادیث اس بارے میں مروی ہیں وہ اولِ اسلام پر محمول ہیں پھر منسوخ ہوگئیں -

البتہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے دو رکعت خفیف کا استثناء فرمایا ہے -

حدیث : لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد

نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ : کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف ، مسجد الحرام ، مسجد النبوی اور مسجد اقصی -

حدیث ہذا کا مطلب و مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ : ان تین مسجدوں میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے ، لہذا اگر زیادتئ ثواب کی نیت سے کسی مسجد کے لیے سفر کرنا ہے تو وہ صرف ان

مسجدوں کے لیے کیا جائے کسی اور مسجد کے لیے نہ کیا جائے ۔ کیونکہ دنیا کی کسی بھی مسجد کو (سوائے ان تین مسجدوں کے) یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہو ۔ لہٰذا ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی بھی مسجد کے لیے اس نیت سے سفر کرنا کہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا ممنوع ہے ۔
سفر کی ممانعت صرف مساجد سے متعلق ہے زیارتِ قبور کے لیے سفر کرنے کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ (فیوض الباری ، پارہ پنجم ، ص 46 ، ملتقطا)

علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں : حدیث لا تشد الرحال مساجد کے بارے میں ہے ۔ اس کی رو سے مساجد ثلاثہ کی طرف بدیں غرض سفر کرنا کہ ان میں نماز ادا کرنے سے تَضَاعُفِ ثواب حاصل ہو جائز ہے ۔ دنیا کی کسی اور مسجد کی طرف اس غرض کے لئے سفر کرنا نہ چاہیئے ، کیونکہ وہ درجہ میں متساوی ہیں کسی کو کسی پر باعتبارِ کثرتِ ثواب فضیلت نہیں ۔ ہاں اور مطلب کے لئے دوسری مساجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے ۔ مثلًا کسی مسجد میں کوئی کوئی بزرگ رہتے ہیں ان کی زیارت یا ان سے استفاضہ کے لئے اس مسجد کی طرف سفر کرنا جائز ہے ۔ اسی طرح کسی مسجد کے صنائعِ غریبہ کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا بھی ممنوع نہیں ۔ مقابر و مشاہدِ انبیاء کرام علی نبینا و علیہم السلام و اولیاء عظام رحمہم اللہ السلام کی زیارت کے لئے سفر کرنا حدیث زیر بحث کی نہی کے تحت داخل نہیں بلکہ جائز و مشروع و مستحب اور موجبِ خیر و برکت ہے ۔ جب حوائجِ دنیا کے لئے سفر کرنا بالاتفاق جائز ہے تو حوائجِ آخرت بالخصوص ان میں سے جو اکدَّ ہے یعنی حضور سید الاولین و الآخرین ، امام المرسلین ، جاتم النبیین ، سیدنا و مولانا محمد مصطفی احمد مجتبی صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم کے روضہ انور کی زیارت کے لئے سفر کرنا بطریقِ اولی جائز و مستحسن ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے عہد مبارک سے اس وقت تک مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے ۔ اس کا انکار حرمان و شقاوت کی علامت ہے ۔ (سیرت رسول عربی، ص ٧٠٤)

حدیث : ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة و منبری علی حوضی -----

علامہ علی قاری نے شرح مشکاۃ میں لکھا : و قال مالك : الحديث على ظاهره و الروضة قطعة نقلت من الجنة و ستعود إليها و ليست كسائر الأرض تفنى و تذهب ، قال ابن حجر : و هذا عليه الأكثر و هى من الجنة الآن حقيقة .

منبری علی حوضی کا بھی یہ ہی مطلب ہے کہ : اللہ تعالی حضور کے اسی منبر کو بعینہ دوبارہ جنت میں حوض کوثر پر نصب فرما دےگا ، اور یہ اللہ تعالی کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے ۔ (فیوض الباری ، ملتقطا)
مرقاۃ میں ہے : و قد يعيد الله تعالى منبره على حاله فينصبه على حوضه ، و قال ابن حجر : هذا هو الأولى ۔ ذكر أكثر العلماء : إن هذا المنبر بعينه يعيده الله على حوضه و هذا هو الأظهر . . .
نزھۃ القاری میں ہے : جمہور محدثین اس پر ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ مقدس حصہ بعینہ جنت میں جائے گا ۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ : اتنا حصہ جنت کا ٹکڑا ہے ، وہاں سے آیا ہے جیسے حجر اسود ۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ : اس حصہ میں عبادت کرنی دخولِ جنت کا سبب ہے ۔ یہ بھی بعض شراح نے فرمایا کہ : یہ فی الحال جنت کا حصہ ہے ، مگر دنیا

میں رہنے کی وجہ سے وہ خواص و لوازم نہیں جو جنت کے ہیں ۔ مثلاً گرمی سردی نہ ہونا ، پیاس نہ ہونا وغیرہ وغیرہ ۔ (نزھہ)

منبری علی حوضی : نزھۃ القاری میں ہے : یہ بھی اپنے ظاہر پر ہے ، یعنی بعینہ یہی مقدس منبر حوضِ اکثر پر نصب ہوگا ۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ : منبر اقدس کی زیارت وہاں نماز و عبادت حوضِ کوثر سے سیراب ہونے کا خاص سبب ہے ۔ حوض سے مراد حوضِ کوثر ہے ۔ ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہاں آج یہ منبر اقدس ہے یہیں قیامت کے دن حوض کوثر رہے گا ۔ اس لیے کہ ایک حدیث میں ہے کہ محشر سر زمین شام پر قائم ہوگا ۔ ظاہر ہے کہ شام جیسے چھوٹے سے ملک میں تمام اولین و آخرین سما نہیں سکتے ، اس لیے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ محشر کا مرکزی مقام شام ہوگا ، خلائق کا پھیلاؤ جہاں تک ہو ، اس تقدیر پر اس کا امکان ہے کہ حوضِ کوثر کی جائے وقوع مدینہ طیبہ ہو ۔ (نزھہ)

سفرِ عورت بغیر محرم و زوج کیسا ہے ؟

حضرت ثوری ، اعمش اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ : عورت کو تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم جائز نہیں البتہ اس سے کم جائز ہے ۔ (فیوض الباری)

تصفیق کیا ہے ؟

تصفیق کا مطلب قوالوں کی طرح تالی بجانا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنا ۔ اگر نماز میں کوئی حادثہ وغیرہ پیش آجائے تو مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیئے اور عورتوں کو تصفیق کرنی چاہیئے ، عورتوں کو گوکہ سبحان اللہ بھی کہنا جائز ہے مگر بکراہت ۔ (فیوض الباری)

حدیثِ جریج

بابوس : عجمی زبان کا لفظ ہے ، اس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے بچے کے ہیں ۔

حضور اکرم علیہ الصلوۃ و السلام کے خصائص میں سے ہے کہ : آپ اگر کسی کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر حضور کی آواز پر لبیك کہنا واجب ہے ۔ اور حضور کے بلانے اور اجابت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔ (فیوض الباری)

واضح ہوکہ ماں باپ دادا دادی وغیرہ کے محض بلانے سے نماز قطع کرنا جائز نہیں ، ہاں اگر ان کا پکارنا کسی بڑی مصیبت کی وجہ سے ہو تو توڑ دے ۔ یہ حکم فرض نماز کا ہے اور اگر نفل نماز ہے اور ان کو معلوم ہے کہ نماز پڑھتا ہے تو ان کے معمولی پکارنے سے نماز نہ توڑے

اور اگر اس کا نماز پڑھنا انہیں معلوم نہ ہو اور وہ پکاریں ، اگرچہ معمولی طور سے بلائیں تو نفل نماز کو توڑ دے اور جواب دے ۔ (فیوض الباری)

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا کیسا ؟

حدیث پاک میں ہے کہ : نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام نے کوکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ۔

خصر کے معنی : ہاتھ کو کوکھ پر رکھنے کے ہیں ۔

کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو اس لیے منع کیا گیا کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے ، نیز حدیث میں آیا کہ دوزخی جب جہنم میں تھک جائیں گے تو اس طرح سستانے کے لیے (یعنی راحت کے حصول کی خاطر) ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوں گے ۔ (فیوض الباری)
بہار شریعت میں مکروہاتِ نماز کے بیان میں مکروہ نمبر ۱۲ ہے : کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ تحریمی ہے ، نماز کے علاوہ بھی کمرپر ہاتھ رکھنا نہ چاہیے ۔ (بہار شریعت ، ج۱ ،ح۳ ، ص٦٢٥)

جب کوئی چار رکعتی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھے تو کیا حکم ہے ؟؟؟

اگر کوئی شخص بھولے سے بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھ لے اور چوتھی رکعت پر قعدہ بھی کرلے اور پھر سجدہ سہو کرے تو اس کی نماز درست ہوجائے گی البتہ ایک رکعت لغو ہوگی ، مناسب یہ ہے کہ پانچویں کے ساتھ چھٹی رکعت اور پڑھ لے تاکہ چار فرض اور دو نفل ہوجائیں ۔ چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے تصریح کی کہ اسی صورت میں اگر وہ چھٹی کے لیے کھڑا نہیں ہوا اور سجدہ سہو کرلیا تو نماز درست ہوگئی ، کیونکہ وہ مظنون ہے ۔ (فیوض الباری)

کیا سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑہنا ضروری ہے ؟

حضرت سعد ، عمار ، ابن سیرین ، ابن ابی لیلی کا مذہب یہ ہے کہ جس پر سجدہ سہو لازم ہو وہ سجدہ کرے اور سلام پھیرے تشہد نہ پڑھے ۔
اور حضرت انس اور حسن ، عطا اور طاؤس کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ سہو میں نہ سلام ہے نہ تشہد ۔
اور حضرت ابن مسعود ، شعبی ، ثوری ، حکم ، قتادہ ، لیث ، حماد اور امام اعظم و امام شافعی و مالک و احمد رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ سہو میں تشہد بھی اور سلام بھی ۔

كتاب الجنائز

جنائز جمع ہے جنازہ کی ، جَنازہ (بفتح الجیم) میت کو کہتے ہیں اور جِنازہ (بکسر الجیم) تخت و نعش کو کہتے ہیں اور عام لوگ جنازہ اس میت کو کہتے ہیں جو چارپائی پر رکھی ہوئی ہو ۔ (فیوض)

فی حدیث براء بن عازب : أمرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بسبع : بإتباع الجنائز ،،، الخ

اتباع کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں ، اس لئے احناف کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے ۔ داہنے بائیں یا آگے نہ چلنا چاہیئے ۔ (فیوض)

حدیث پاک میں ہے : و اللہ ما أدری و أنا رسول اللہ ما یفعل بی ۔ اس کی وضاحت کریں ؟ ؟ ؟

ما ادری ، درایۃ سے مشتق ہے ، اس کے معنی : اٹکل اور قیاس سے کسی بات کے جان لینے کے ہیں ، لہذا یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت کی نفی ہے ، یعنی حضور علیہ الصلوۃ و السلام یہ فرما رہے ہیں کہ : میں اپنی عقل اور قیاس سے نہیں جانتا ،
حدیث میں علم کی نفی نہیں ہے بلکہ درایت کی نفی ہے اور مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ میں قیاس اور اٹکل سے تو اپنے متعلق بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا ۔ کیونکہ جو بات قیاس اور عقل سے جانی جائے وہ یقینی نہیں ہوتی بلکہ میں تو وحی الہی اور تعلیمِ خداوندی سے جانتا ہوں اور جو کچھ فرماتا ہوں تعلیمِ الہی فرماتا ہوں ۔ (فیوض)
لاادری سے صرف حسابِ عقل کی نفی مطلوب ہے ۔ (تفہیم)
ایک روایت میں ما یفعل بی کے بجائے مایفعل بہ کے الفاظ ہیں ۔

حدیث میں ہے کہ نجاشی بادشاہ پر نبی پاک نے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ، بیان فرمائیں کہ نماز جنازہ غائبانہ کا کیا حکم اور اور بصورتِ عدمِ جواز حدیث نجاشی کا جواب دیں ؟ ؟ ؟

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ۔ اور نبی پاک نے نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ میں ادا فرمائی جبکہ بادشاہ نجاشی حبشہ میں تھے کیونکہ نبی کریم نجاشی بادشاہ کی میت کو ملاحظہ فرمائے ہوئے تھے ۔
حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں صدہا صحابہ کرام کا دوسرے مواضع میں وفات پانا اور حضور کا بلا عذر بالقصد ان کا جنازہ غائبانہ ادا نہ کرنا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ غائب کا جنازہ پڑھنا ممنوع ہے ۔
حضرت نجاشی کا جنازہ غائبانہ نہ تھا بلکہ حضور کیلئے ظاہر کردیا گیا تھا ۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت نجاشی بادشاہ کی وفات کی خبر مسجد میں دینے کے بعد عیدگاہ کو چلے اور نماز جنازہ پڑھی تھی ۔
امام اعظم اور امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ۔
البتہ امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کے مذہب میں مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مسجد خراب ہونے کا خطرہ نہ ہو ۔ (تفہیم البخاری)

قبر پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ؟

فیوض الباری میں ہے : حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ : اگر میت کو بغیر نماز پڑھے دفن کردیا اور مٹی وغیرہ ڈال دی ہے تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے ۔ قبر پر نماز پڑھنے میں دنوں کی تعداد مقرر نہیں ہے ۔ میت کی حالت ، موسم ، اور زمین کی حالت سے یہ اندازہ کرلینا چاہیئے کہ میت کا جسم پھٹا پھولا ہوگا ، تو جب تک پھٹنے کا گمان نہ ہو نماز پڑھ سکتے ہیں ۔

تفہیم البخاری میں ہے : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا : جب میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کردیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک وہ پھٹی نہ ہو اور جب اس کے پھٹنے میں شک ہو تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے ۔
امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما یہی کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کو غسل کرکے کفن دیا ہو ۔
اور اگر غیر ولی نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کردیا تو اس کے پھٹنے سے پہلے اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے اور اس میں ظن غالب کا اعتبار ہے ۔
امام ابو یوسف نے کہا : تین روز تک اس پر نماز پڑھی جاسکتی ہے ۔

عورت کی میت ہو تو اس کے بالوں کی کتنی چوٹیاں بنائی جائیں ؟ اس بارے میں اختلاف بیان کریں ؟

تفہیم البخاری میں ہے : احناف کے مذہب میں عورت کے بالوں کے دو حصے کرکے قمیص کے اوپر سینے پر کئے جائیں اور ان کو پیچھے نہ رکھا جائے ۔ جیسے امام شافعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ، اور ام عطیہ کا (نبی کریم کی شہزادی کے بالوں کی) تین چوٹیاں بنانا مستحکم دلیل نہیں ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے اس طرح کرنے کا حکم نہیں فرمایا اور یہ کہنا کہ ام عطیہ نے آپ کے حکم سے کیا ہوگا محض احتمال ہے ، اس سے حکم ثابت نہیں ہوسکتا ، نیز تین گیسو بناکر ان پیچھے کرنے میں زینت ہے اور میت زینت سے مستغنی ہے ۔ انتہی

تفہیم البخاری میں ہے : امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : عورت کے بالوں کو کنگھی کرکے ان کو تین چوٹیاں بناکر اس کی پیٹھ پر ڈال دی جائیں ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے ۔
علامہ قسطلانی نے کہا کہ : سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و سلم نے : سر کے بالوں کو تین حصے

کرنے کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا ۔ حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے تین چوٹیاں بنائیں یہ ان کا اپنا فعل ہے ۔

فیوض الباری میں ہے : ظاہر ہے کہ حضرت زینب (بنت رحمۃ للعالمین علیہ الصلوۃ و السلام) کی تین چوٹیاں کردینا یہ حضرت ام عطیہ کا اپنا فعل تھا ۔ حضور اکرم کے حکم سے انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا ۔ لہذا حدیث ہذا سیدنا امام شافعی کے مسلک (یہ کہ میت عورت ہو تو اس کے بالوں کی تین چوٹیاں کردی جائیں) کی دلیل نہیں ہوسکتی ۔ ویسے بھی امام شافعی کے نزدیک صحابی کا محض قول و فعل حجت نہیں ہے ۔

ایک صحابی احرام کی حالت میں کجاوے سے گر کر وفات پا گئے تو نبی پاک نے فرمایا : اغسلوا بماء و سدر و کفنوہ فی ثوبین و لا تحنطوہ و لا تخمروا رأسه ، فإنه یبعث یوم القیامة ملبیا ، محرم اگر بحالتِ احرام انتقال کرجائے تو اس کا احرام باقی رہتا یا نہیں اس بارے میں اختلاف آئمہ بیان کیجئے ؟

امام شافعی اور امام احمد رحمهما اللہ کے نزدیک : محرم کا احرام اس کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے ۔ ان کی دلیل مذکورہ حدیث ہے ۔
امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک : موت سے احرام ختم ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ یہ نماز اور روزے کی طرح عبادت ہے جو موت سے باطل ہوجاتی ہے ۔ حدیث شریف میں ہے : جب آدمی مرجائے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے اس کے صرف تین عمل باقی رہتے ہیں ۔ لہذا احرام بھی باطل ہوجاتا ہے کیونکہ یہ بھی عمل ہے ۔
اور مذکور حدیث کا جواب یہ ہے کہ : اس کے لفظ عام نہیں کیونکہ یہ ایک معین شخص کا واقعہ ہے اگر یہ حکم ہر محرم کا ہوتا تو سرورِکائنات اس طرح فرماتے کہ محرم قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھایا جائے گا (حضور نے فرمایا : فإنه یبعث یوم القیامة ملبیا) ، فإنه میں ضمیر غائب اسی محرم کی تخصیص کرتی ہے ۔ لہذا دلیل کے بغیر دوسرے محرم اس حکم میں داخل نہیں ۔ نیز سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا : اسے بیری کے پتوں سے غسل دو ، حالانکہ محرم کیلئے بیری کے پتوں سے غسل کرنا جائز نہیں ۔ (تفهیم البخاری بتغیر قلیل)

نبی پاک نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی اور بطورِکفن اپنی قمیص عطا فرمائی اس کی کیا توجیہ ہے ؟

فیوض الباری میں ہے : حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو جو اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں لعابِ دہن ڈالا ، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بدر کے موقع پر حضرت عباس کو ایک کرتہ دیا تھا ۔ حضور نے نہ چاہا کہ اس منافق کا احسان میرے چچا پر رہ جائے ۔ دوسرے اس کے فرزند عبیداللہ جن کا نام حباب تھا کی دلجوئی مقصود تھی اور تبلیغ بھی ۔ چنانچہ اس واقعہ کو دیکھ کر ابن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے ۔ (فیوض الباری)

میت کے کفن کے کتنے کپڑے ہونے چاہئیں ؟؟؟

اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ مرد کی میت کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا ۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ وہ تین کپڑے کونسے ہوں ، امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک : میت کو تین لفافوں میں کفن دیا جائے گا ۔ جبکہ احناف کے نزدیک : لفافہ ازار اور قمیص میں کفن دیا جائے گا ۔
امام شافعی کی دلیل یہ حدیث پاک ہے : عن عائشة رضی الله عنها : أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کفن فی ثلاثة أثواب بیض سحولیة لیس فیها قمیص و لا عمامة ۔
احناف کی دلیل سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا : جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور وہ قمیص ، ازار اور لفافہ ہیں ۔ (رواہ ابن عدی فی الکامل)

عورتوں کا جنازوں کے ساتھ جانا کیسا ؟

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ : ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا لیکن تاکیداً نہیں ۔

فیوض الباری میں ہے : اس مسئلہ میں جمہور کا قول یہ ہے ، یہ نہی تنزیہی ہے ، تحریمی نہیں ہے ۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ بھی یہ ہی فرماتے ہیں کہ : مستورات کو جنازہ کے ساتھ نہ جانا چاہیئے ، اور غالباً ابتدا سے امت کا تعامل بھی یہ ہی رہا ہے ۔ اور بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ ایک عورت جنازہ کے ساتھ آگئی تو حضور نے فرمایا : واپس ہوجاؤ اور جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی ، حضور نے نماز نہیں پڑھائی ۔ (عینی)

کیا میت کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے ؟ اگر نہیں تو حدیث پاک : یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه ، کی وضاحت کریں ؟

کسی عزیز کی وفات پر رنج و غم کی وجہ سے جی کا بھر آنا اور آنسوؤں کا جاری ہونا ایک فطری عمل ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں ۔ہاں چیخنا چلانا کپڑے پھاڑنا بال نوچنا سینہ ماتھا پیٹنا اور ناشکری کے کلمات زبان پر لانا ممنوع و ناجائز ہے ۔ اور حدیث پاک میں جو مذکور ہے کہ میت کے گھروالوں کے اس پر رونے کی وجہ سے اس پر عذاب ہوا کرتا ہے تو یہ اس صورت ہے جبکہ میت نے نوحہ کی رسم کو جاری کیا یا اپنے پر نوحہ کیے جانے کی وصیت کی ہو ۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر صرف نوحہ کرنے والے گناہگار ہوں گے ۔ میت برئ الذمہ ہوگی ۔

فیوض الباری میں ہے : غم کا اظہار جائز ہے ، رنج و غم ایک فطری چیز ہے اور اس سے بچنا انسان کی طاقت سے باہر ہے ۔ تو اگر مصیبت کے وقت دل بھر آئے آنسو جاری ہوجائیں یا بےاختیار چیخ نکل جائے تو ان پر مواخذہ نہ ہوگا ۔ لیکن اس سے بڑھ کر چیخنا چلانا ، واویلا کرنا ، بال نوچنا ، گریبان چاک کرنا ، بال منڈانا ، ماتم و نوحہ کرنا ، کالے کپڑے پہننا ، ناشکری کے کلمات زبان پر لانا یہ سب ممنوع و حرام ہے ۔ عورتیں اس سلسلہ میں بہت ہی بے احتیاطی سے کام لیتی ہیں انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے ، صبر و ضبط سے کام لینا چاہیئے ۔ (فیوض الباری ، پارہ پنجم ، ص۹۹)

تفهیم البخاری میں ہے : امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے کہا : مصیبت کے وقت چلانا ، نوحہ کرنا ، رخساروں کا پیٹنا ، گریبان چاک کرنا ، منہ چھیلنا ، بال پھیلانا ،واویلا کرنا اور ہلاک ہوجائے مرجائے کہنا بالاتفاق حرام ہے بعض نے انہیں مکروہ تحریمی کہا ہے ۔ (تفہیم)

جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا کیسا ؟

حدیث پاک میں ہے : إذا رأیتم الجنازة فقوموا حتی تخلفکم ۔ یعنی جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑت ہوجاؤ یہاں تک کہ وہ تمہیں پیچھے چھوڑ جائے (یعنی جب تک جنازہ آگے بڑھ جائے تب تک کھڑے رہو)

تفہیم البخاری میں اس حدیث پاک کی شرح میں مذکور ہے : اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ جنازہ کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے اور جب تک لوگوں خے کندھوں سے اتار کر زمین پر نہ رکھاجائے بیٹھنا ممنوع ہے ۔ امام احمد اور امام اوزاعی علیھماالرحمہ کا مسلک بھی یہی ہے ۔ امام ابو حنیفہ امام مالک ، امام شافعی اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنھم کا مذہب یہ ہے کہ جنازے کے لئے کھڑا ہونا واجب نہیں اور زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے اور جنازے کے لئے کھڑا ہونا منسوخ ہے کیونکہ امام مسلم نے اپنی اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے پھر کھڑے نہ ہوتے تھے ۔ (تفہیم البخاری)

مرآۃ المناجیح میں ہے : اوّلاً میت کے لیے کھڑے ہوجانے کا حکم تھا یا تو میت کی تعظیم کے لیے یا ساتھ والے فرشتوں کی یا موت کی گھبراہٹ کے اظہار کے لیے لیکن یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا ۔ (مرآۃ المناجیح ، ج٢،ص٤٦٠)

تکبیراتِ نماز جنازہ کتنی ہوں ؟

حدیث پاک میں نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے نجاشی بادشاہ کی وفات کی خبر سنائی ، پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام آگے بڑھے ، صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں ، اور آپ نے چار تکبیریں کہیں ۔

فیوض الباری میں ہے : فکبر أربعا سے واضح ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں ، جمہور علماء محمد بن حنفیہ ، عطاء محمد بن سیرین نخعی سوید بن غفلہ ثوری امام ابو حنفیہ مالک شافعی احمد کا بھی یہ ہی قول ہے اور حضرت عمر حضرت عبداللہ بن عمر زید بن ثابت جابر ابن ابی اوفی حسن بن علی براء بن عازب ابو ہریرہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنھم سے بھی یہ ہی منقول ہے ۔

تفہیم البخاری میں ہے : نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں ، حضرات آئمہ اربعہ ابوحنیفہ مالک شافعی اور احمد رضی اللہ عنھم کا یہی مذہب ہے اور جن احادیث میں نماز جنازہ پر پانچ تکبیروں کا ذکر ہے وہ منسوخ ہیں ۔

باب سنة الصلوة على الجنازة

امام بخاری فرماتے ہیں سماها صلوة ليس فيها ركوع و لا سجود ۔

یعنی نماز جنازہ کو نماز کہا حالانکہ اس میں رکوع و سجود نہیں ۔

فیوض الباری میں ہے : واضح ہو کہ نماز جنازہ پر صلوۃ کا اطلاق آیا ہے ، مگر نماز جنازہ صلوۃ مطلقہ نہیں ہے بلکہ وہ صلوۃ مطلق اور دعاء مطلق میں برزخ ہے ۔ اسی لیے امام بخاری علیہ الرحمہ نے سماها صلوۃ-----الخ کہہ کر یہ واضح کیا ہے کہ نماز جنازہ پر صلوۃ کا اطلاق مجاز ہے ۔

كان ابن عمر لا يصلى إلا طاهرا و لا يصلى عند طلوع الشمس و لا عند غروبها و يرفع يديه ۔

فیوض الباری میں ہے : یہ تین مسئلے ہیں ، اول یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر بغیر وضو کے نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس اثر کو لاکر امام بخاری نے شعبی کا رد کیا ہے جو نماز جنازہ بغیر وضو کے جائز سمجھتے ہیں ۔

احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ بلاعذر بلاوضو پڑھنا درست نہیں ، ہاں اگر وضو کرنے میں نماز جنازہ فوت ہوجانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم سے پڑھ سکتے ہیں ۔ اس مسئلہ کے متعلق ایک مزردع حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے جس کو ابن عدی نے روایت کیا ہے اور زہری امام نخعی عطا سالم ثوری اسحاق ، ابن وہب امام احمد کا بھی یہ ہی مسلک ہے ۔

دوم یہ کہ : اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ، بعض اہل علم جن حضرت ابن عمر بھی شامل ہیں ان کا مسلک یہ ہے ۔ امام شافعی اور دیگر اہلِ علم جواز کے قائل ہیں ۔ (1)

سوم یہ کہ : حضرت ابن عمر نماز جنازہ میں رفع یدین کرتے تھے ۔ لیکن ابن حزم نے حضرت ابن عمر سے ہی روایت کیا ہے کہ وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے ۔ احناف کا بھی یہ ہی مسلک ہے ۔ (فیوض الباری)

(1)بہار شریعت میں ہے : جنازہ اگر اوقات ممنوعہ میں لایا گیا ، تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں ، کراہت اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے طیار موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقتِ کراہت آ گیا ۔ (بہار شریعت ، ج١ ، ح٣ ، ص٤٥٤)

امام بخاری فرماتے ہیں : و إذا أحدث يوم العيد أو عند الجنازة يطلب الماء و لايتيمم ۔

یعنی اگر بروزِ عید یا بوقتِ جنازہ کسی کو حدث لاحق ہو تو پانی تلاش کریں گے تیمم کی اجازت نہیں ہوگی ۔

فیوض الباری میں ہے : احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ کے لیے طہارت شرط ہے مگر غیر ولی کو نماز جنازہ فوت ہوجانے کا خوف ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے ۔ اور عید کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ یہ گمان ہوکہ وضو یا غسل کرنے میں عیدین کی نماز جاتی رہے گی ، خواہ یوں کہ امام پڑھ کر فارغ ہوجائے گا یا زوال کا وقت آجائے گا دونوں صورتوں میں تیمم جائز ہے ۔

قال الحسن : أدركت الناس و أحقهم على جنائزهم من رضوه لفرائضهم

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے ، ابن بطال نے کہا : اکثر اہلِ علم کا مسلک یہ ہے ، بادشاہ اسلام ولی سے بھی زیادہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق دار ہے ، علقمہ اسود حسن بصری امام مالک اوزاعی امام احمد اسحاق ابویوسف اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہ ہی قول ہے ۔ البتہ ولی کو چاہیئے کہ دیندار متقی و پرہیزگار کو جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دے ۔ (فیوض الباری)

امام میت کی کونسی سمت کھڑا ہو جنازہ پڑھاتے وقت ؟

تفہیم البخاری میں ہے : امام ابو یوسف ، امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنھم کے نزدیک : امام مرد کے سر کے سامنے اور عورت کے سرین کے برابر کھڑا ہو ۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا : مرد کے وسط میں اور عورت کے کندھوں کے برابر کھڑا ہو ۔ احناف کے نزدیک : امام مرد و عورت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو ۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قراءت کرنا کیسا ؟

فیوض الباری میں ہے : نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے ۔ حضرت ابن مسعود ، حسن بن علی ، ابن زبیر ، مسور بن مخرمہ سے اس کی مشروعیت منقول ہے اور حضرت ابو ہریرہ حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن عمر اور تابعین میں حضرت عطا و طاؤس ، ابن سیرین سعید بن مسیب ، جبیر ، شعبی ، حکم ، مجاہد ، حماد ثوری اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں ہے ۔ احناف کا بھی یہ ہی مسلک ہے البتہ نماز جنازہ میں قرآن بنیت دعا و ثنا پڑھنا جائز ہے ۔

تفہیم البخاری میں ہے : امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنھما کا مسلک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور رات کو نماز جنازہ پڑھی جائے تو فاتحہ جہر سے پڑھے اور دن کو آہستہ پڑھے ۔

علماءِ احناف نے کہا کہ جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ ثناء کی نیت سے پڑھی جائے تلاوت کی نیت سے نہ پڑھی جائے ، مؤطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما جنازہ کی نماز میں قراءت نہ کرتے تھے اور دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھتے تھے جیسے تشہد میں درود پڑھتے ہیں ، امام ابو حنیفہ ، امام مالک رضی اللہ عنھما کا مذہب یہی ہے ۔ (تفہیم البخاری ملتقطا)

کیا شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اختلاف آئمہ بیان کریں ، نیز غسل شہید کا حکم بیان کریں ؟

فیوض الباری میں ہے : امام شافعی و مالک و اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

جیسے کہ اس کو کفن نہیں دیا جاتا اور دلیل ان کی حدیث جابر ہے ۔ (کہ شہداءِ احد پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی) ، اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ ، ابن ابی لیلی ، حسن بن حی ، عبیداللہ بن حسن ، سلیمان بن موسی ، سعید بن عبدالعزیز ، اوزاعی ، ثوری اور اہلِ حجاز و امام ابو یوسف و امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور دلیل ان حضرات کی حدیث عقبہ ہے۔ (نبی کریم علیہ الصلوة والسلام ایک دن مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور شہداء احد پر ایسے نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھا کرتے ہیں)

احناف کا موقف یہ ہے کہ حدیث عقبہ میں اثبات ہے اور حدیث جابر میں نفی تو مثبت اولی ہے ، دوم یہ کہ شہداء احد پر بعد ایک مدت گذر جانے کے حضور کا نماز جنازہ پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ شہید پر نماز پڑھی جائے اور چونکہ اس وقت افراتفری کا سماں تھا اس لئے نہیں پڑھی جا سکی ہوگی ۔

فیوض الباری میں ہے : واضح ہوکہ شہید کے غسل نہ دیے جانے پر سب کا اتفاق ہے ، البتہ حسن بصری و سعید بن مسیب کا قول ہے کہ شہید کو غسل دیا جائے ۔

کافر بچہ دار الاسلام میں قید ہوکر آیا اور مرگیا تو اس کے کفن و دفن اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے ؟

فیوض الباری میں ہے : کافر کا بچہ اگر مسلمان ہوجائے اور بالغ ہونے سے پہلے ہی مرجائے تو وہ مسلمان ہی قرار پائے گا ، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ، نیز بچہ کو بھی اسلام قبول کرنے کی تلقین کرنا جائز ہے اور بچہ کا اسلام قبول کرنا صحیح ہے ۔

کافر کا بچہ دار الحرب میں اپنی ماں یا باپ کے ساتھ یا بعد میں قید کیا گیا ، پھر وہ مرگیا اور اس کے ماں باپ میں سے اب تک کوئی مسلمان نہیں ہوا تو اسے نہ غسل دیں گے نہ کفن ، خواہ دار الحرب میں ہی مرا ہو یا دار الاسلام میں ۔

اگر تنہا دار الاسلام میں کافر کا بچہ لایا گیا (یعنی اس کے ماں باپ سے کسی کو قید کرکے نہ لائے ہوں نہ وہ بطور خود بچہ کے لانے سے پہلے ذمی بن کر آئے) اور وہ بچہ مرگیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ، بشرطیکہ اس نے عاقل ہوکر کفر کو اختیار نہ کیا ہو ۔

کافر کے بچہ کو قید کیا اور ابھی وہ دار الحرب میں تھا کہ اس کا باپ دار الاسلام میں آکر مسلمان ہوگیا تو بچہ مسلمان سمجھا جائے گا ، یعنی اگر دار الحرب میں مرجائے اسے غسل و کفن دیں گے اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے ۔

بچہ کو ماں باپ کے ساتھ قید کر لائے اور ان میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تو بچہ مسلمان قرار پائے گا ۔

ابن صیاد کون تھا ؟

ابن صیاد مدینہ میں یہودی کا ایک لڑکا تھا اور کاہن تھا اور کہانت کا وصف اس میں فطری طور پر موجود تھا ، حضور علیہ الصلوۃ و السلام کو جب اس کی کہانت کی اطلاع ملی کہ لوگوں کو کچھ باتیں بتاتا ہے تو آپ چند اصحاب کے ہمراہ اس کے پاس تشریف لے گئے تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہوجائے کہ یہ بھی ایک کاہن ہے جیسے کاہن ایک سچ سو جھوٹ ملا کر بیان کردیتے ہیں ، یہ ہی اس کا حال ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ : باوجود اس کے ابن صیاد نے نبوت کا دعوی کیا ، حضور نے اس پر حد کیوں جاری نہیں فرمائی ؟ اور مدینہ میں اس کو کیوں رہنے دیا ؟ جواب یہ ہے کہ : ایک تو وہ نابالغ تھا ، دوسرے ذمی تھا ، اس لیے اس پر حد جاری نہیں فرمائی ، تیسرے ابن صیاد در اصل مسلمانوں کے لئے فتنہ تھا ، اس کے ساتھ اللہ تعالی نے مسلمانوں کا امتحان لیا ، جیساکہ سیدنا موسی علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی قوم عجل کے ذریعہ امتحان میں ڈالی گئی تھی ۔ حضور علیہ الصلوۃ و السلام جو اس سے سوالات کیے اور اس کے پاس تشریف لے گئے تو یہ سب محض اس لئے تھا تاکہ لوگوں کو اس کی اصل حقیقت واضح ہوجائے ، کیونکہ اس کی حقیقت حضور کو تو معلوم تھی ، علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے لکھا : فامتحنه ليعلم حقيقة حاله و يظهر أمره الباطل للصحابة یعنی حضور کا بطور امتحان اس سے سوال کرنا اس لئے تھا کہ صحابہ کرام کو بھی اس کی حقیقت اور اس کا باطل پر ہونا واضح ہوجائے ۔ ھو الدخ ، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور نے اپنے ذہن مبارک میں بطور سوال سورہ دخان کو معین کیا تھا ، اور ابن صیاد جواب میں صرف دخ کہہ سکا ۔ (فیوض الباری)

حدیث : کل مولود یولد علی الفطرۃ .

فیوض الباری میں ہے : فطرۃ سے مراد معرفتِ الاہی کی قوت ہے یعنی ہر پیدا ہونے والے میں پیدائشی طور پر معرفت الاہی کی قوت ہوتی ہے ، یہ قوت ایسی ہے کہ کوئی اس کو ختم نہیں کرسکتا ، قرآن مجید میں ہے : فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ، انسان کی اسی فطرت و جبلت کا اس آیت میں ذکر ہے : لئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله ، کہ اگر ان سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا تو کہیں اللہ ، معلوم ہوا ہر انسان کی جبلت میں معرفت الاہی کی قوت رکھ دی گئی ہے ، اسی چیز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا کہ : ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے ، یعنی ہر بچہ میں معرفت الاہی کی قوت ہوتی ہے ۔ جیساکہ اس کو ماحول ملتا ہے اور جس قسم کے اس کے مربی ہوتے ہیں وہ انہیں کا رنگ اختیار کرلیتا ہے ۔ یاد رکھئے کہ حضور کے ارشاد : فأبواه يهودانه ، کہ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی و نصرانی بنادیتے ہیں ، کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ماں باپ اس بچہ کی فطرت کو ختم کردیتے ہیں ، بلکہ مطلب

صرف یہ ہے کہ خواہ ماحول کی وجہ سے وہ یہودی و نصرانی ہوجائے مگر اس کے باوجود وہ فطرت جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی معرفت الاہی کی قوت بہر حال موجود رہتی ہے اور معرفت الاہی کی یہ قوت نہ ختم ہوسکتی ہے اور نہ ختم کی جا سکتی ہے ۔

حديث : من حلف بملة غير الإسلام كاذبا متعمدا فهو كما قال .

یعنی : جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے قول کے مطابق ہے ۔

فیوض الباری میں ہے : من حلف کا مطلب یہ ہے کہ : اگر کسی نے غیر ملت اسلام کی قسم کھائی ، مثلاً یوں کہا : اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو یہودی یا نصرانی ہوکر مروں ، حالانکہ اس نے وہ کام کیا ہو اور محض یقین دلانے کے لئے قسم کھا رہا ہو تو یہ قسم ہوجائے گی ، کفارہ لازم ہے اور غیر ملت اسلام کی قسم کھانا بڑی سخت ہے اور بعض صورتوں میں کافر ہوجانے کا خطرہ ہے ، کیونکہ جس چیز کی قسم کھائی جائے تو اس کی تعظیم ہوتی ہے ، علامہ قسطلانی نے فرمایا : یہودی و نصرانی کے دین کی عظمت کرکے اس کی قسم کھائی تو یہ کفر ہے ۔ اور حدیث ہذا میں بھی یہ تصریح ہے کہ وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا یعنی یہودی ہونے کی قسم کھائی تو یہودی ہوگیا ۔ پھر ممانعت جھوٹ کے ساتھ خاص نہیں ہے ، سچی بات کے لیے بھی یہودی اور نصرانی ہونے کی قسم کھانا بہت بری بات ہے ۔

حديث : هذا أثنيتم عليه خيرا فوجبت له الجنة و هذا أثنيتم عليه شرا فوجبت له الجنة أنتم شهداء الله فى الأرض

فیوض الباری میں ہے : مومن زمین میں اللہ کے گواہ ہیں اور مومن صالح متقی و پرہیزگار کی گواہی معتبر ہے تو یہ اگر شخص کے نیک و صالح ہونے کی گواہی دیں تو ان کی یہ گواہی اس شخص کے جنتی ہونے کی علامت قرار پائے گی یا پھر یہ حدیث صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ خاص ہے ، صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں ، ان کی عدالت و صداقت پر اجماع ہے ان کی گواہی بہرحال صداقت پر ہی مبنی ہوتی ہے ۔ اور حدیث ہذا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ چند فاسق یا فاجر کسی کے نیک یا بد ہونے کی جھوٹی سچی گواہی دے دیں تو وہ شخص جنتی یا دوزخی ہوجائے گا ۔

کافروں کے نابالغ بچے جنت میں جائیں یا دوزخ میں ؟

فیوض الباری میں ہے : اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں : (۱) حضرت حماد بن سلمہ ، حماد بن زید ، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے جو چاہے ان سے معاملہ فرمائے (۲) یہ بچے والدین کے تابع ہوں گے ، اگر والدین مسلمان تھے تو جنت میں جائیں گے ورنہ دوزخ میں (۳) جنتیوں کے خادم ہوں گے (٤) ان کا امتحان ہوگا پھر ان کے جنتی یا

دوزخی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا (٥) اعراف میں رہیں گے (٦) اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا قول یہ ہے کہ ان کے معاملہ میں توقف کیا جائے اور انہیں خدا ہی کے سپرد کیا جائے ۔

مرآۃ المناجیح میں ہے : کفار کے فوت شدہ بچوں کے متعلق علماء کرام کے چند اقوال ہیں : (١) وہ جنتی ہیں کیونکہ فطرت پر پیدا ہوئے (٢) وہ جہنمی ہیں اپنے ماں باپ کے تابع ہوکر (٣) وہ اعراف میں رہیں گے کیونکہ ان کے شرعی ایمان یا کفر نہیں (٤) ان میں توقف کرو کیونکہ دلائل مختلف ہیں (٥) وہ بڑے ہوکر جیسے ہوتے ان پر وہی حکم جاری ہے یعنی چونکہ کافر ہوتے لہذا وہ جہنمی ہیں یا مومن ہوتے لہذا وہ جنتی ہیں --------

مرقات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں اور حضور کا یہ فرمان (الله أعلم بما كانوا عاملين) ان آیات کے نزول سے قبل ہے جن میں فرمایا گیا کہ بغیر قصور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے ، بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جنتی تو ہیں مگر مومن جنتیوں کے خدام ۔ (مرآۃ المناجیح ، ج١ ، ص١٠٦)

<u>كتاب الزكوة</u>

زکوۃ کے لغوی معنی یہ ہیں : پاک کرنا ، درست کرنا ، بڑھنا ، مدح ۔ شریعت میں زکوۃ کے معنی یہ ہیں : مال کے ایک حصے کا جو شرع نے مقرر فرمایا ہے ، اللہ کے لیے کسی مسلمان فقیر وغیرہ کو مالک کردینا ، بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی نہ ہو ۔ زکوۃ فرض ہے اور اس کی فرضیت قطعی اجماعی ہے ، جو اس کا منکر ہو کافر ہے اور جو نہ دے مستحق قتل ہے اور تاخیر کرنے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے ۔ اگر کسی بستی والے یا کوئی جماعت زکوۃ نہ دے تو سلطانِ اسلام کو اس سے قتال کا حکم ہے ۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے ۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ زکوۃ ہجرت کے تیسرے سال فرض ہوئی ۔

زکوۃ ہر مسلمان مرد و عورت، عاقل بالغ پر فرض ہے ، جو ایسے مال نامی کا مالک ہو جو بہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر پورا سال گزر چکا ہو ۔ اور اس کی حوائج اصلیہ سے فاضل ہو ، مال نامی تین ہیں : سونا چاندی خواہ ان کی سلیں ہوں یا زیور ، برتن یا سکے ،،اگرچہ رکھے ہوئے ہوں ، مالِ تجارت کچھ بھی ہو ، چرائی کے جانور ۔ (نزهة القاری)

<u>حدیث میں فرمایا : فأعلمهم أن الله إفترض عليهم صدقة فى أموالهم تؤخذ من أغنيائهم و ترد على فقرائهم ۔</u>

نزهة القاری میں ہے : بعض حضرات نے حدیث کے اس جزء سے کہ زکوۃ ان کے مال داروں سے لی جائے اور ان کے محتاجوں پر تقسیم کی جائے ، یہ استدلال کیا ہے کہ ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمة الله علیہ کا یہی مذہب تھا ۔ خراسان سے زکوۃ آئی تو انہوں نے اسے خراسان لوٹا دیا ، مگر اس پر امت کا اجماع ہے کہ دوسری جگہ کے فقراء کو اگر زکوۃ دے دی جائے تو ادا ہوجائے گی ۔ اس حدیث میں فقرائهم میں

ضمیر کا مرجع مسلمین ہیں ، یا یہ کہ یہ ارشاد بطورِ استحباب خاص ان لوگوں کے لیے اس بناء پر تھا کہ وہاں کے فقراء زیادہ ضرورت مند رہے ہوں گے ۔

علامہ طیبی وغیرہ نے تؤخذ من أغنیائھم سے استدلال کیا کہ نابالغ بھی اگر مالک نصاب ہے تو اس پر زکوۃ ہے ، ہمارے نزدیک واجب نہیں ۔ (نزھة القاری)

<u>حدیث میں ہے : تأتی الغنم علی صاحبها علی خیر ما كانت إذا لم يعط فيها حقها تطؤه بأظلافها و تنطحه بقرونها ، قال و من حقها أن تحلب على الماء</u>

یعنی : جب بکری میں اس کا حق ادا نہ کیا جائے تو وہ قیامت میں جیسی تھی اس سے بہتر ہوکر مالک کے پاس آئے گی اور اسے اپنے پاؤں سے کچلے گی اور اسے اپنے سینگوں سے مارے گی ۔ فرمایا : اس کا حق یہ بھی ہے کہ اسے پانی پر دوہا جائے ۔

نزھة القاری میں ہے : عرب کی عادت تھی کہ جب چوپائے پانی پینے کے لیے تالاب یا چشمے یا کنویں پر جاتے تو انہیں دوہتے ، اس موقع پر محتاج تنگ دست جمع ہوجاتے تاکہ انہیں بھی کچھ دودھ مل جائے ، اور کچھ ایسے بھی تھے جو جانور وہاں نہیں دوہتے تاکہ کسی کو کچھ دینا نہ پڑے ، اسی وجہ پر یہ فرمایا ، یہ ارشاد مکارمِ اخلاق سے ہے ۔

حدیث میں فرمایا : فأقول : لا أملك لك شيئا ۔

نزھة القاری میں ہے : یہ ارشاد یا اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں شفاعت سے روک دیا گیا ہے ، یا یہ ارشاد زجر و توبیخ کے لیے ہے ۔ یہ افادہ مقصود ہے کہ ایسے لوگوں کی میں بھی کوئی مدد نہیں کروں گا ، جبکہ سب کچھ میں نے بتا دیا تھا ۔

<u>حدیث پاک میں فرمایا : من آتاه الله مالا فلم يؤد زكاته مثل له ماله يوم القيامة شجاعا أقرع له زبيبتان ۔الخ</u>

یعنی : جسے اللہ پاک نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوۃ ادا نہ کی تو اس کا یہ مال بروزِ قیامت گنجا سانپ بنا دیا جائے گا جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی ۔

نزھة القاری میں ہے : أقرع ، کے معنی گنجے کے ہیں ، ہر سانپ گنجا ہوتا ہے ، کسی سانپ کے سر پر بال نہیں ہوتے ، یہاں مراد یہ ہے کہ زیادہ مدت تک یہ زہر جمع رہنے سے اس کے سر سے ایک کھال کی آدھ تہ جھڑ جاتی ہے ۔ زبیبتان ، زبیب کے معنی : اصل میں جھاگ کے ہیں ، یہاں مراد سیاہ نکتہ ہے ، جسے چتی کہتے ہیں ، یہ چتیاں یا تو آنکھوں کے اوپر ہوتی ہیں یا سر پر یا منہ کے دونوں کناروں پر ، یا حلق کے نیچے کچھ گوشت لٹکتا ہے ۔ وہ مراد ہے ۔ ظاہر پہلے دو معنی ہیں ، چتی دار یہ سانپ سب سے زیادہ زہریلا ہوتا ہے ۔ العیاذ باللہ تعالی ۔

حدیث میں فرمایا : ليس فيما دون خمسة أواق صدقة الخ

یعنی پانچ اوقیہ سے کم چاندی می صدقہ نہیں ۔

نزهة القاری میں ہے : أواق ، اوقیه کی جمع ہے ، اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے ، اسی طرح چاندی کی نصاب دو سو درہم ہوئی اور ایک درہم تین ماشے ، ڈیڑھ (١.٥) رتی کا ۔ اس طرح چاندی کی نصاب ساڑھے باون (٥٢.٥٠) تولے ہوا ------------- سونے کا نصاب بیس مثقال ہے ، اس پر اجماع ہے ۔ ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ، اس طرح سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہوا ---------- اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں ، یہ متفق علیہ ہے ۔ غلے کا نصاب پانچ وسق ہے ، مشہور یہ ہے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کو وسق کہتے ہیں ، مگر مختار یہ ہے کہ ساٹھ صاع کا ایک وسق ہے ، اس طرح غلے کا نصاب تین سو صاع ہوا ۔ اس سے کم پیداوار میں عشر نہیں ۔ یہی امام شافعی ، امام ابو یوسف ، امام محمد کا مذہب ہے ۔ مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ، تھوڑی پیداوار ہو یا زیادہ سب میں عشر واجب ہے ۔ ان کی دلیل خود امام بخاری رحمة الله علیہ کی روایت کردہ صفحہ ٢٠١ والی حضرت ابن عمر رضی الله عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرمایا :

فیما سقت السماء و العیون أو کان عشر یا العشر و ما سقی بالنضح نصف العشر

جب پانی بارش یا چشمے سینچیں یا بے سینچے پیداوار ہوجائے ، اس میں عشر ہے اور جو چھڑک کر سینچی جائے ، اس میں نصف عشر ۔

اس حدیث میں کلمہ ما عام ہے ، قلیل و کثیر سب پر صادق ہے اور عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ، اس لیے زمین کی پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ ، سب میں عشر واجب ۔ ،

حضرت ابو ذر رضی الله عنہ اور امیر معاویہ رضی الله عنہ کا مکالمہ

نزهة القاری میں ہے : زید بن وہب سے مروی ہے کہ خود حضرت ابو ذر نے فرمایا کہ : رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا : اے ابو ذر ! جب مدینہ کی آبادی کوہِ سلع تک پہنچ جائے تو تم شام چلے جانا ۔ اسی ہدایت کے بہ موجب جب مدینہ طیبہ کی آبادی کوہِ سلع تک پہنچ گئی تو یہ شام دمشق چلے گئے ، وہاں اس وقت حضرت معاویہ رضی الله عنہ والی تھے ۔ حضرت ابو ذر کا مذہب یہ تھا کہ جتنی آمدنی ہو ، حاجت سے جو بچے سب کا صدقہ کرنا فرض ہے ، حاجت سے زائد جمع کرنا حرام ہے ، آدمی بہت پرجوش اور جری تھے ، اپنے اس مسلک کی علانیہ تبلیغ فرماتے تھے ، اس سے وہاں ایک خلفشار مچا ہوا تھا ، چونکہ سابقین اولین میں سے اور بہت معزز صحابی تھے ، اس لیے عوام کا رجحان ان کی طرف زیادہ تھا ۔ آخر حضرت معاویہ سے زوردار گفتگو ہوئی ، حضرت ابو ذر نے آیت کریمہ مذکورہ تلاوت فرمائی ۔ (الذین یکنزون الذهب و الفضة و لاینفقونها فی سبیل الله) ۔

ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اس آیت میں " و لا ینفقونها " سے مراد بہ قدرِ حاجت سے جو زائد ہو ، سب کا سب خرچ کرنا ہے ، صرف بہ قدرِ زکوۃ صرف کرنا مراد نہیں ۔ اور حضرت معاویہ کا خیال تھا کہ یہ یہود و نصاری ، احبار و رہبان کے بارے میں نازل ہوئی ، اس لیے کہ آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے :

إن کثیرا من الأحبار و الرهبان لیاکلون أموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل الله و الذین یکنزون الآیة (التوبة ، ٣٤)

بہت سے احبار و رہبان لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں ، اور یہ لوگوں کو الله کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں ۔

حالانکہ دونوں حضرات سے خطا ہوئی ، نہ یہ آیت کریمہ اہلِ کتاب کے ساتھ خاص ہے اور نہ " ینفقونها " سے کل مال مراد ہے ، بلکہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور " ینفقونها " سے زکوۃ ادا کرنا مراد ہے ، کل مال کا صرف کرنا نہیں ۔ (نزهة القاری)

<u>حدیث میں فرمایا : ما أحب أن لی مثل أحد ذهبا أنفقه كله إلا ثلاثة دنانير ،</u>

نزهة القاری میں ہے : حضور اقدس صلی الله علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنی شانِ ارفع و اعلی کے مطابق تھا ، جو الله عزوجل پر توکل ، دنیا سے بے رغبتی ، خلقِ خدا پر رحمت اور سخاوت کا مظہر تھا ۔ یہ حکم تشریعی نہیں تھا ، جس کے خلاف عمل پر مواخذہ ہو ۔ حضرت ابو ذر رضی الله عنہ نے اسے اپنے ذوق کے مطابق حکم تشریعی سمجھا اور جو لوگ اس پر عمل پیرا نہ تھے ، ان پر ناراض رہتے تھے ۔

تین دینار بچانے کی حکمت علامہ قرطبی نے یہ بتائی کہ ایک اپنے اہل و عیال کے لیے ، ایک غلام آزاد کرنے کے لئے ، ایک قرض کے لیے ۔ یہ ان کا ذوق ہے ، ہوسکتا ہے اس ارشاد کے وقت جن کا نان نفقہ حضور پر واجب تھا ، وہ دن دینار یومیہ رہا ہو یا کسی کا قرض کچھ رہا ہو ، ورنہ حدیث گذر چکی کہ یہ بھی پسند نہیں کہ سونے کا ایک ٹکڑا گھر میں رات بھر رہے ۔

<u>حدیث میں فرمایا : من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب و لا يقبل الله إلا الطيب ، فإن الله يتقبلها بيمينه ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل</u>

نزهة القاری میں ہے : عدل : عین کے کسرہ کے ساتھ کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ قیمت میں برابر ہونا ، اور عین کے فتحہ کے ساتھ اپنی ہم جنس کے ساتھ برابر ہونا ۔

فلو : گھوڑے کا بچہ جب دودھ پینا چھوڑ دے ، اس کی جمع : أفلاء ، جیسے عدو کی اعداء ۔

بیمینه : الله عزوجل اعضاء و جوارح ، جسم و جسمانیت سے منزہ ہے ، یہاں بہ طورِ تمثیل حسن قبول کی یہ تعبیر ہے ، ہم اور آپ پسندیدہ چیزیں دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ اسے حسن قبول عطا فرماتا ہے ۔

حدیث میں ہے کہ صحابی نے نبی پاک سے افضل صدقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا : أن تصدق و أنت صحيح شحيح تخشى الفقر و تأمل الغنى و لا تمهل حتى إذا بلغت الحلقوم قلت لفلان كذا و لفلان كذا و قد كان لفلان ۔

نزھۃ القاری میں ہے : جب تندرست ہوتا ہے اور یہ امید ہوتی ہے کہ ابھی زندہ رہے گا تو مال جمع رکھنے کی حرص ہوتی ہے کہ معلوم نہیں آئندہ کیا صورتِ حال ہو ، ایسے وقت صدقہ کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے ، اس لیے اس وقت صدقہ کرنا موت کے وقت صدقہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : مرنے کے وقت جو غلام آزاد کرے ، وہ ایسا ہے جیسے جب پیٹ بھر جائے تو ہدیہ کرے ۔

شہنشاہ ہشام بن عبدالملک کی بیوی رقیہ نے مرتے وقت اپنے سب غلام آزاد کردیئے ، یہ خبر جب حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا : یہ لوگ مالوں میں دو بار اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں ، پہلے بخل کرتے ہیں ، پھر جب دوسرے کا ہوجاتا ہے تو اسراف کرتے ہیں ۔

و قد کان لفلان : اس میں فلان سے مراد وارث ہے ، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرض الموت میں مورث کے مال میں وارث کا حق ثابت ہوجاتا ہے ، اسی وجہ سے تہائی (مال) سے زائد (میں) وصیت نافذ نہیں اور وارث کے لیے وصیت باطل ہے ، مگر یہ کہ وارث اسے نافذ کریں ۔

باب : الصدقة علی غنی و ھو لا یعلم

نزھۃ القاری میں ہے : لا علمی میں اگر غیر مستحق کو زکوۃ دے دی ، یہ جانتے ہوئے کہ یہ مستحق ہے تو زکوۃ ادا ہوگئی ۔ معلوم ہونے کے بعد اعادہ واجب نہیں ، جیساکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے ، البتہ مستحب ہے کہ اعادہ کرے ۔

باب : إذا تصدق علی إبنه و ھو لا یشعر

نزہۃ القاری میں ہے : جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ واجبہ مثلاً زکوۃ ، صدقہ فطر بیٹے کو دینے سے ادا نہ ہوگی ، اور اس حدیث میں مراد صدقہ نافلہ ہے ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بیٹا مقروض یا غازی ہو تو اسے باپ کی زکوۃ وغیرہ لینا جائز ہے ، اور اس حدیث کا محمل یہی ہے ۔

زکوۃ اور عشر میں قیمت لینی جائز ہے ۔

اگر دوسری جگہ کے مسلمان زیادہ ضرورت مند ہوں تو ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ استعمال کی جاسکتی ہے ۔

بنت مخاض : اونٹنی کی مادہ بچی جو پورے ایک سال کی ہوگئی ہو ، دوسرا شروع ہوچکا ہو ۔ مخاض کے معنی دردِ زہ کے ہیں ، جب اونٹنی کا بچہ سال بھر کا ہوجاتا ہے تو حاملہ ہونے کے لائق ہوجاتی ہے ، گویا اب وہ دردِ زہ کے لائق ہوگئی ، اس لئے اس بچی کو بنت مخاض کہتے ہیں ، بچہ ہو تو ابن مخاض ۔

بنت لبون : اونٹنی کی وہ بچی جو پورے دو سال کی ہوگئی ہو تیسرے میں قدم رکھا ہو ، اونٹنی عام طور پر سال بھر حاملہ رہ کر بچہ دیتی ہے ، جب ایک بچہ دو سال کا ہوگیا تو اس کی ماں دودھ والی ہوگئی ، لبون کے معنی دودھ والی ۔

حقہ : پورے تین سال کی بچی جو چوتھے میں قدم رکھے ، چونکہ اس عمر میں جفتی کے لائق ہوجاتی ہے ، نیز بوجھ ڈھونے کے لائق ہوجاتی ہے ، نیز بوجھ ڈھونے کے لائق ، اس لئے اس کو حقہ کہتے ہیں ۔ اس کا مادہ حق ہے ۔

جذعہ : وہ بچی جو پورے چار سال کی ہوگئی ہو اور پانچواں شروع ہوچکا ہو ۔

ثنی : جب اونٹ یا اونٹنی پورے پانچ سال کی ہوجائے ، اس لئے کہ وہ دانت جو رباعی کہلاتے ہیں جھڑ جاتے ہیں ۔

رباعی و رباعیہ : جب پورے چھ سال کا ہوجائے تو نر کو رباعی اور مادہ کو رباعیہ ۔

سدس ، سدیس : جب پورے سات سال کا ہوجاتا ہے تو اسے سدیس یا سدس کہتے ہیں ، اس لئے کہ اب رباعی کے بغل والے دانت جھڑ جاتے ہیں ۔

باذل : جب پورے آٹھ سال کا ہوجاتا ہے اور اس کے کیلے یعنی نوکیلے دانت نکل آتے ہیں تو اس کو باذل کہتے ہیں یعنی جس کے کیلے نکل آئے ۔

مخلف : جو پورے نو سال کا اونٹ ہوجائے تو اسے مخلف کہتے ہیں ۔

ويحك : یہ کلمہ اصل میں زجر و توبیخ کے لئے ہے ، اس کا ترجمہ خرابی ہو تیرے لئے ہے ، مگر کبھی کبھی ترحم و شفقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسے حدیث میں : ويحك لعمار تقتلك الفئة الباغية ، میں ہے ۔

حدیث کا خلاصہ : پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ۔ اور پانچوں اونٹوں میں ایک بکری لازم ۔

اونٹ کی زکوۃ چوبیس تک ہر پانچ میں ایک بکری واجب ہے ۔

اور جب اونٹ پچیس ہوجائیں تو پینتیس تک بنت مخاض لازم ہوگی ۔

اور جب چھتیس ہوجائیں تو پینتالیس تک ایک بنت لبون لازم ہوگی ۔

اور جب چھیالیس ہوجائیں تو ان میں ایک حقہ لازم ہے ساٹھ تک ۔

اور 61 سے 75 تک ایک جذعہ

76 سے 90 تک دو بنت لبون

91 سے 120 تک دو حقے

اگر اونٹ ایک سو بیس سے زائد ہوجائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ۔

بکری کی زکوۃ : چالیس بکریوں سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ۔

چالیس بکریوں سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری لازم ہوگی ۔

ایک سو بیس سے زائد ہوجائیں تو دو سو تک دو بکریاں لازم ہوں گی ۔

پھر دو سے تین سو تک تین بکریاں لازم ہیں ۔

اگر بکریاں تین سو سے بھی زائد ہوجائیں تو ہر سو ہر ایک بکری لازم ہوگی ۔

حدیث زینب إمرأة ابن مسعود : حضرت امام شافعی و احمد و ابو ثور ، ابو عبید ، اشہب من المالکیہ ، امام ابو یوسف و محمد رحمهم الله تعالی اور اہلِ ظاہر نے حدیث ہذا سے یہ استدلال فرمایا کہ بیوی اپنے غریب خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے ۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہ ، امام مالک ، حسن بصری ، ثوری ، امام احمد فی روایة ، اور ابوبکر من الحنابلة رحمهم الله تعالی یہ کہتے ہیں کہ بیوی شوہر کو زکوۃ نہیں دے سکتی ۔

لیس علی المسلم فی فرسه و غلامه صدقة : تین قسم کے جانوروں کی زکوۃ واجب ہے جبکہ سائمہ ہوں : (۱) اونٹ (۲) گائے ، بھینس ، بیل (۳) بھیڑ ، بکری ، دنبہ ---- ان کے علاوہ گھوڑے ، گدھے ، خچر پر زکوۃ نہیں ہے ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو ، اسی طرح غلام لونڈی کی زکوۃ واجب نہیں ہے ۔ ہاں اگر غلام ، گھوڑے ، خچر وغیرہ تجارت کے لئے ہوں تو سال گذر جانے کے بعد ان کی قیمت پر زکوۃ ہے جیسے کہ مالِ تجارت پر زکوۃ ہوتی ہے ۔ اسی طرح جواہرات ہیرے یاقوت الماس نگینے کپڑے وغیرہ پر بھی زکوۃ نہیں ہے ، خواہ کروڑوں روپے کی مالیت ہی کے کیوں نہ ہوں ، ہاں اگر یہ چیزیں تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت پر زکوۃ ہے ۔ (فیوض الباری)

<u>کتاب فضائل المدینة</u>

مدینہ کو یثرب کہنا کیسا ؟

احادیث میں مدینہ کو یثرب کہنے کی نہی وارد ہوئی ہے اور جو مدینہ کو یثرب کہے وہ خاطی اور گناہگار ہے ۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا : جو مدینہ کو یثرب کہے وہ اللہ پاک سے استغفار کرے ۔ (مسند امام احمد ، مسند براء بن عازب) ۔

کیا سر زمین مدینہ حرم ہے جیساکہ کہ سرزمین مکہ حرم ہے ؟؟؟؟؟

نزھة القاری میں ہے : ہمارے یہاں مدینہ طیبہ اس معنی پر حرم نہیں کہ اس کے جانوروں کے شکار کرنے ، اس کے درختوں کے کاٹنے ، گھاس صاف کرنے پر دم واجب ہو ، جن احادیث میں ایسا حکم وارد ہے وہ مؤول ہیں ، مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی زیب و زینت باقی رکھنے کے لیے فرمایا کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں ، میدان صاف نہ کئے جائیں ۔
مگر ہمارا یہ کہنا ہے کہ مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے گھاس چھیلنے اور شکار کرنے پر دم واجب نہیں جیساکہ مکہ معظمہ میں ہے ۔
عجیب بات ہے حضرات آئمہ ثلاثہ مدینہ طیبہ کے حرم ہونے کے قائل ہیں ، مگر درخت کاٹنے ، شکار کرنے پر فدیہ اور جزا کوئی صاحب واجب نہیں فرماتے ۔ البتہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ : اس کا سامان چھین لیا جائے ۔

صرف و عدل سے کیا مراد ہے ؟

نزہة القاری میں ہے : جمہور کا قول یہ ہے کہ : صرف سے فرض اور عدل سے نفل مراد ہے ، اور یہی رائج ہے-------
ایک قول یہ ہے کہ : صرف کے معنی شفاعت اور عدل کے معنی فدیہ ہے ۔ علامہ قاضی نے اسی پر جزم فرمایا ہے ۔

کاوش : ابن امداد (درجہ : دورة الحدیث 2021/2020)